رجسٹرڈ نمبر ایس ۱۱۰۴

15 — 7 — 0

۱۹۶۱ء

۱۹۶۹ء

نگار

قواعد رسالہ "نگار"

۱- رسالہ ہر مہینے کی پندرہ تاریخ سے پہلے شایع ہوتا ہے۔
۲- رسالہ نہ پہونچنے کی صورت میں بیس تاریخ تک دفتر کو اطلاع ہونی چاہیے ورنہ رسالہ مفت نہ روانہ کیا جائیگا
۳- خط کتابت کیوقت اپنا نمبر خریداری ضرور لکھیے جسپر نمبر خریداری نہیں ہوتا ایسے خطوط ضایع کردیے جاتے ہیں
۴- جواب طلب امور کے لیے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔
۵- مضامین صاف اور خوشخط آنے چاہییں۔
۶- سالانہ قیمت پانچ روپیہ، ششماہی تین روپیہ، بیرون ہند سات روپیہ سالانہ پیشگی مقرر ہے۔

نرخنامہ اجرت اشتہارات

تعداد صفحہ	ایک صفحہ	نصف صفحہ	پاؤ صفحہ
بارہ مرتبہ	۱۰۰ روپیہ	۶۰ روپیہ	۴۰ روپیہ
چھ مرتبہ	۶۰ روپیہ	۳۵ روپیہ	۲۵ روپیہ

(۱) اجرت ہر حال میں پیشگی آنا ضروری ہے (۲) جو صاحبان تین ماہ سے زائد اشتہار دیں گے ان کو بیس فیصدی کمیشن دیا جائیگا میعاد اشتہار کے اندر دو مہینے قبل اطلاع دینے پر مضمون بدل سکتا ہے۔

تعداد صفحہ	ایک صفحہ	نصف صفحہ	پاؤ صفحہ
تین مرتبہ	۳۵ روپیہ	۲۴ روپیہ	۱۴ روپیہ
ایک مرتبہ	۱۲ روپیہ	۹ روپیہ	۶ روپیہ

نگار بک ایجنسی لکھنؤ

اردو ادب کی تمام مطبوعات بازار کی قیمت پر ملتی ہیں

مولانا نذیر احمد
بنات النعش ۹ر
مراۃ العروس ۱۰ر
توبۃ النصوح ۱۲ر
موعظہ حسنہ
رویائے صادقہ
ایامیٰ
فسانۂ مبتلا
ابن الوقت
مصائب غدر ۱۲ر

مولانا شبلی
سیرۃ النبی جلد اول
” دوم
” سوم
الفاروق
سیرۃ النعمان
الغزالی
المامون
سوانح مولانا روم
سفرنامہ مصر و شام
علم الکلام
الکلام
رسائل شبلی
مقالات شبلی
شعر العجم جلد اول
” دوم
” سوم
” چہارم
” پنجم
موازنہ انیس و دبیر
مضامین عالمگیر
آغاز اسلام
کلیات فارسی
کلام شبلی اردو

امیر مینائی
صنم خانۂ عشق
مراۃ الغیب
محامد خاتم النبیین
ضیائے سخن
مکاتیب امیر مینائی

رتن ناتھ سرشار
سیر کہسار
خدائی فوجدار
جام سرشار
الف لیلہ طرز ناول
کامنی
سوانح عمر و عیار
پیاری دنیا
کایا پلٹ
میٹھی چھری
طرحدار لونڈی
طلسمی فانوس

منشی سجاد حسین
احمق الذین
حاجی بغلول

جوالا پرشاد برق
مرنالنی
مارگ ستین
بنگالی دلہن
مشیر فرنگ

بسم اللہ

صفحہ ۸ و صفحہ ۱۰۲ کے اعلانات غور سے پڑھیے

نگار

فہرست مضامین نومبر ۱۹۲۹ء

ملاحظات	۲	آرٹ۔ اثر لکھنوی	۶۷
مومن و کلام مومن۔ کیفی چریاکوٹی	۹	باب المراسلۃ والمناظرہ	۷۳
جھوٹ۔ طالب باغپتی	۲۱	باب الاستفسار	۸۵
تصوف اسلام پر ایک مورخانہ نظر۔ عبدالمالک آروی	۳۲	مرغ شب آہنگ۔ سید علی اختر، اختر	۸۸
سیاح کی ڈائری	۴۲	اسرار۔ روش صدیقی	۹۰
حکومت برطانیہ کی وسعت کا راز۔ عبدالقیوم رسا	۵۰	غزلیات	۹۱
ازدواج مکرر	۶۱	معلومات	۹۴

نگار

اڈیٹر:- نیاز فتحپوری

جلد (۱۶)	نومبر ۱۹۲۹ء	شمار (۵)

ملاحظات

آہ زعمرے کہ گزشت اینچنین!

چند دن سے میں جس کیفیت میں مبتلا ہوں اس کو اگر کسی ایک فقرہ سے ظاہر کر سکتا ہوں تو عنوان کے مصرعہ کو ملاحظہ فرمائیے — آہ زعمرے کہ گزشت اینچنین!

ماضی کی ہر یاد خواہ وہ کتنی ہی تلخ ہو حال کی شیرینیوں سے زیادہ پُرکیف ہوتی ہے اور مستقبل کی ہر تمنا خواہ کتنی ہی عسیر الحصول کیوں نہ ہو، حاصلات حاضرہ سے زیادہ قیمتی معلوم ہوتی ہے۔ یعنی انسان نام ہے ایک طرف خواہش استرداد کا اس کیلئے جو گزر گیا اور دوسری طرف دست امید بڑھانے کا اس کیلئے جو ہنوز عدم میں ہے۔ پھر چونکہ حیات انسانی کا ہر لمحہ حال ہی ہو کر گزرتا ہے اسلئے اُنکا کارآمد ہونا معلوم لیکن میری حالت اس سے بالکل علیحدہ ہے، ماضی کے استرداد کی تمنا نہیں اور حال کی کیفیت یہ ہے کہ

برمن آں می رود امروز کہ گوئی فرداست

کہتے ہیں کہ جہل کا علم، علم کی پہلی منزل ہے، لیکن شاید یقین کی نہیں! معلوم نہیں علم کو جہل سمجھنے والے اس باب میں کیا کہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اس سوال کا پیدا ہونا ہی دماغ انسانی کی پہلی بدعت ہے جسے فطرت تو برداشت کر لیتی ہے، لیکن رُوح کی

نزاکت اس کی متحمل نہیں۔ پھر کتنے ہیں جنکی روحیں اس کشمکش کی سوگوار نہیں اور کہاں ہیں وہ نفوس جو احساس کی اس بے اعتدالی سے واشگاف نہیں۔ جہل و علم سے زیادہ اہم و ضروری یہ دیکھنا ہے کہ ہمارا نقص اپنی تکمیل کا طلبگار ہے یا نہیں اور جو امکان کے ذرات کس مرکز کی طرف پہونچنے کے لئے بیتاب ہیں

انسان کا وجود اپنی تخلیق کے لحاظ سے سراپا جستجو ہے، روح خواہ وہ مادہ سے مجرد ہو یا وابستہ یکسر اضطراب تمنا ہے۔ صبح کا جلوۂ زریں، شام کا نقاب رنگیں، آفتاب کی زرپاشیاں، چاند کی نور بیزیاں، شاہد مقصود کے مختلف مظاہر و آثار (Phenomena) ہیں جو ہمکو عین ذات (Noumenon) کی طرف بلاتے ہیں، خزاں کی سوگواری، بہار کا نشاط، دریا کی روانی، پہاڑ کی استقامت اور ان کو بھی جانے دیجئے، خود مساعی انسانی کے تمام نتائج جو سربفلک عمارتوں، محیر العقول ایجادوں، اور زر و سیم کے انبار کی صورت میں ہر جگہ نظر آتے ہیں، یہ سب دعوتیں ہیں اصل منزل تک سعی کرنے کی، اُس آغوش رحمت تک پہونچ جانے کی، جس کا نام مذہبی کاروبار والوں نے فردوس رکھا ہے اور میں اس کو "دار الصحو و المنام" کہتا ہوں۔ جہاں روح اپنی جستجو کو ختم کر کے شیریں خواب میں محو ہو جاتی ہے، جہاں تمام تفریقات جسم و رنگ مٹ کر صرف ایک احساس امن و سکون میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

آج علم و حکمت کی ترقیاں اس حد تک پہونچ گئی ہیں کہ زمان و مکان، سمت و جہت کا مفہوم بدلگیا ہے اور تمام محالات، ایک ایک کر کے امکان و توقع کی صورت اختیار کرتے جاتے ہیں، لیکن کیا انسان باایں ہمہ اقتدار و اختیار روح میں کوئی شائبۂ سکون محسوس کرتا ہے؟

آج زر و دولت کی فراوانی کا یہ عالم ہے کہ تمام وہ تمنائیں اور خواہشیں جو انسان کے گوشت و خون سے متعلق ہو سکتی ہیں، "شئے حاصل" کی حیثیت اختیار کر چکی ہیں، لیکن، سوال یہ ہے کہ کیا رُوح کی گرسنگی میں کسی قسم کی کوئی کمی محسوس کیجاتی ہے؟

انسان آگے بڑھ کر رہا ہے۔ انسانیت پیچھے ہٹ رہی ہے ـــــ دماغ ترقی کر رہا ہے ـــــ روح تنزل کر رہی ہے ـــــ اِسوقت کا انسان ایک ایسا مستسقی ہے جس کے سامنے دریا جاری ہے اور وہ خود پانی پینے کیلئے آزاد۔ لیکن اس کی روح جس کیلئے بیتاب ہے اسکا یہ عالم ہے کہ

دہند شوق و ے رخصت نظر نہ دہند

دنیا کے تمام مذاہب اسی "فردوسِ گم گشتہ" کو ڈھونڈھ نکالنے کے لئے آئے، انبیاء و رُسل، اولیاء و اکابر کی ہستیاں رُوح کی اسی فریاد کی مختلف صورتیں تھیں، جو ابراہیم و اسماعیل، سلیمان و داؤد، یوسف و موسیٰ، عیسیٰ و محمد، زردشت و کرشن، بودھ و کنفوشس کے نام سے ظاہر ہوئیں اور آیندہ مختلف ناموں اور صورتوں سے ظاہر ہوتی رہینگی، لیکن ان ہستیوں کے اُٹھ جانے کے بعد انسان نے جو کچھ یاد رکھا وہ وہ صرف یہ تھا کہ فلاں آتش پرست ہے اور فلاں گوسالہ پرست، یہ صلیب کا پرستار ہے اور وہ کعبہ کا، یہ ناقوس پھونکتا ہے اور وہ اذان دیتا ہے یہ صورت کفر کی ہے اور وہ اسلام کی، حالانکہ یہ تمام تفریقات صوری، یہ جملہ تمیزات ظاہری، نوع انسانی کی اس رُوح کا تجزیہ نہیں کر سکتے جسکا درد و درمان ایک، جس کی راحت و اذیت ایک، جس کا اوج و حضیض ایک اور جس کی فنا و بقا ایک ہے

خدا ایک ہے اور اس کا پیغام بھی ہمیشہ ایک ہی رہا ہے، وہ پیغام ہمیشہ سے ایک صدق بسیط ایک حقیقت مستدام، ایک صداقت لازوال، ایک قطعیت غیر فانی رہا ہے اور ایسا ہی رہیگا خواہ اسکے پہونچانیوالے کسی ملک و قوم اور کسی رنگ و نسل کے ہوں۔ پھر آج دنیا کی سوگواریوں کا سبب نہ خدا کی دوئی ہے، نہ اسکے پیام کا تنوع، بلکہ صرف یہ جستجو کہ پیامبر کا وطن کہاں تھا، اس کا نام کیا تھا، اسکی صورت کیسی تھی، اس کا ملبوس کس طرح کا تھا اور وہ کیا کھاتا تھا کیا پیتا تھا۔ خدا کی مرضی تو یہ تھی کہ اپنی روح ہم تک پہونچائے، مگر ہم نے اس کو جسم سمجھکر اپنے حواس کے تلذذ کو اس کے عرفان کا معیار قرار دیا، وہ چاہتا تھا کہ اپنی نکہت سے صرف ہمارے دماغ کو متاثر کرے، لیکن ہم نے پھول کو اصل چیز سمجھکر اس کے رنگ، اس کی صورت سے اپنے ذوق و پسندیدگی کو وابستہ کیا، پھر جب وہ پھول مرجھا کر فنا ہو گیا تو نکہت سے وہ ہلکا سا تعلق بھی جاتا رہا اور ہماری روحیں پھر تڑپنے لگیں

آج دنیا کو امن کی جستجو ہے، سکون کی تلاش ہے، پھول کی چادروں سے چنگاری کی سوزش، زرکار ملبوس سے شعلوں کی تپش اور زر و سیم کے انبارت آگ کی لپٹ آرہی ہے۔ بنارس کا مرتاض برہمن "قشقہ بر جبین" ہات میں سمرن لئے ہوئے اٹھتا ہے اور کہتا ہے "میرے مندر میں آؤ، صدائے ناقوس سنو اور مورتی کے سامنے جھک جاؤ تاکہ یہ جلن دور ہو"۔ دیوبند اور فرنگی محل کا عبا پوش مولوی، جریب و تسبیح لئے ہوئے رونما ہوتا ہے اور کہتا ہے "میری مسجد میں آؤ، اذان کی آواز سنو، قبلہ کی طرف منہ کرکے سجدہ میں گر جاؤ تاکہ یہ سوزش دفع ہو" ——— ایک راہب کہن سال پیدا ہوتا ہے اور تلقین کرتا ہے "میرے عالیشان کلیسہ میں آؤ۔ گھنٹے کی صدا پر متوجہ ہو، پیمبر مصلوب کی شبیہ سے التجا کرو، تاکہ یہ بے چینی دور ہو" ——— جاتریوں کا گروہ جوق در جوق مندروں سے نکلتا ہوا نظر آتا ہے، لیکن اُن کے قشقہ کا صندل ابھی خشک نہیں ہو چکتا کہ اُن کے سر جنگ و جدل سے رنگین نظر آنے لگتے ہیں ــ جماعت کی جماعت مسجدوں سے باہر نکلتی ہوئی دکھائی دیتی ہے مگر ان کی پیشانی سے سجدہ کا نشان خاک بھی محو نہیں ہو چکتا کہ ایک دوسرے پر کثافت اچھالتا ہوا نظر آتا ہے ——— گروہ کا گروہ کلیسہ سے باہر آتا ہے اور ابھی عود و عنبر کے بخور کی خوشبو بھی ان کے لباس سے جدا نہیں ہوتی کہ معصیت کی پُر عفونت آغوش اُن کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ ایک رند لاابالی، ایک مرد ژولیدہ مُو، جو نہ کبھی کسی مندر میں گیا، نہ مسجد میں نہ جس نے کبھی دیر میں سر جھکایا نہ کلیسہ میں انسانی زندگی کی اس بیچارگی کا مطالعہ کرتا ہے اور اُس قوت کے سامنے جس کو اسنے ہمیشہ تمام علائق مذاہب و مسالک سے بے نیاز ہو کر پہچانا، متحیرانہ و مستفسرانہ کھڑا ہو جاتا ہے ـ آسمان کا ایک ستارہ ٹوٹ کر روشن لکیر بناتا ہوا غائب ہو جاتا ہے اور یہ بھی اپنی راہ لے لیتا ہے۔ صبح کو قدسیوں کی جماعت اس کو خاک بسر و گرد آلود حالت میں دیکھ کر منہ پھیر لیتی ہے کہ یہ کوئی شرابی ہے۔ یقیناً وہ شرابی ہے، وہ مست ہے۔ لیکن اس طرح کہ

ستیزش را بنود نغمہ و صہبا سامان

دوسرا گروہ آتا ہے کہتا ہے کہ یہ تو فاسق و فاجر ہے، ملحد و بیدین ہے۔ بیشک وہ سب کچھ ہے مگر اس شان کے ساتھ کہ

نازد بکفر خود کہ بہ ایمان برابر ست

بیکے مجروح جسم، اسکے داغدار سر و سینہ کو دیکھ کر لوگ نفرت کرتے ہوئے گزر جاتے ہیں مگر جسوقت وہ بیتاب ہو کر چیخ اٹھتا ہے کہ

درد یست در دلم کہ بدرماں برابر است

تو اس کا سننے والا کوئی نہیں ہوتا

میں نہیں کہہ سکتا کہ میرے یہ تاثرات کب سے مجھے بیتاب بنائے ہوئے ہیں اور ٹھیک اس وقت جبکہ میں چیخ چیخ اُٹھنے کیلئے مجبور تھا کس کس طرح "تابِ گفتگو" مجھ سے چھین لی گئی، لیکن میں دیکھتا ہوں کہ اب "اشارات" کا رُخ بدل گیا ہے، "ایماءِ ربانی" کچھ اور ہے، ظلمت کی شدت اب اس حد تک پہونچگئی ہے کہ اسکے بعد روشنی کا نمودار ہونا لازم ہے۔ اسلئے مجھے بلا پس و پیش اس حقیقت کا اظہار کر دینا چاہئے کہ وہ جو اپنے کو اکابر دین کہتے ہیں ان کو گروہ طاغوت سمجھو، وہ جو خانقاہوں میں ہاتھوں کو رسم دست بوسی کے لئے پھیلائے ہوئے پڑے ہیں، ان کو دشمن روحانیت جانو، وہ جو اپنے آگے تمہیں جھکنے پر مجبور کرتے ہیں ان کو غول صحرائی سے زیادہ وقعت نہ دو۔ وہ وقت گزر گیا جب خدا، مسجد و مندر میں ملتا تھا، کہ اب نہ وہ مسجد و مندر ہیں نہ وہ مسجد و مندر تک پہونچانے والے۔ اب خدا ملتا ہے، نفس کی آزادی میں، ترک تقلید میں، قلب کے اُس انبساط میں جو صرف اپنے ہی تدبر و تفکر سے حاصل ہوتا ہے اور رُوح کی اُس حریت میں جو اخلاق، صرف اخلاق ہی کی پاکیزگی سے میسر آتی ہے۔ مذاہب کو ترک کر دو کہ اب ان سے صرف فساد و "سفک دماء" کا کام لیا جاتا ہے، مدعیان مذہب کو ٹھکرا دو کہ نوع انسانی کی تفریق کا ذمہ دار گروہ تنہا یہی ہے۔ تمام انسان ایک ہیں، اور صرف انسانیت ہی کے رشتہ کو اپنا مذہب قرار دو اگر مذہب کا لفظ تمہارے لئے ضروری ہے، ناموں کی تفریق مٹا دو، لباس کی تمیز اُٹھا دو، رنگ و نسل کا امتیاز محو کردو۔ آسمانی رحمت کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا، مگر اسوقت جب ہماری نگاہوں کے زاویے بدل جائیں۔ پھر اگر تم چاہتے ہو کہ دنیا میں حقیقی امن و سکون قائم ہو، تمہاری روح کی بے چینیاں دور ہوں تو اپنی نگاہوں کا مرکز ایک ہی قرار دو اور حسب و نسب کے تفاخر، دولت و جاہ کے تفوق، حسن و جمال کی تعلی، اور علم و فضل کے پندار کو یکسر محو کر دو کہ خدا کی بارگاہ میں شریف و رذیل، شاہ و گدا، عالم و جاہل سب ایک ہیں اور وہاں اگر کسی چیز کو امتیاز حاصل ہے تو تمہاری اُسی خوئے عجز کو جسنے بندگانِ خدا میں کبھی تفریق نہیں کی اور سب کو اپنی ہی ہستی کا ایک جزو قرار دیا

میں جیسا کہ میرے ایک عزیز دوست نے اندیشہ ظاہر کیا ہے، مہدویت کا دعویٰ نہیں کرتا اور نہ میں کبھی نبوت و رسالت کا مدعی ہو سکتا ہوں، کیونکہ نہ اب کسی مہدی کی ضرورت ہے نہ رسول کی لیکن یہ ضرور عرض کرونگا کہ اگر کبھی رات کی تنہائی میں، صبح کی خلوت میں طبیعت سکون کی طرف مایل ہو تو جو کچھ میں کہتا ہوں اس کو سامنے رکھئے اور پھر مجھ سے نہیں بلکہ

زخود بجوے کہ مارا چہ در دل افتاد ست

دسمبر سنہ۴۶ء کے نگار میں، مینے اسکولوں اور کالجوں کے طلبہ کو مشورہ دیا تھا کہ سالانہ تقریب میں بجائے مشاعروں کے کوئی اور سنجیدہ و مفید مشغلہ تلاش کرنا چاہئے اور میں نے اسی کے ساتھ یہ بھی ظاہر کیا تھا کہ بزم شعر خوانی کے ساتھ طلبہ کا اسقدر شغف نتیجہ ہے

اُس ادنیٰ قسم کی ذہنیت کا جو موجودہ نصاب تعلیم اور اصول تربیت کے ماتحت اس وقت ہندوستان کی بڑی سی بڑی درس گاہ میں پائی جاتی ہے ۔ میں سمجھتا تھا اور غالباً اپنے خلوص نیت کی بنا پر صحیح سمجھتا تھا کہ میرا یہ کہنا کسی کو گراں نہ گزرا ہو گا ، لیکن اُسوقت یہ امر میرے ذہن میں بھی نہ آیا کہ ہندوستان کا گروہ شعراء ہنوز جناب احسن مارہروی ایسی ذہنیت رکھنے والے شاعروں سے خالی نہیں ہے جو اپنی اہمیت کو صرف اپنی شاعری ہی سے ثابت کرنا چاہتے ہیں درآنحالیکہ سچ پوچھئے تو وہ شاعر بھی نہیں ہیں ۔ واقعہ یہ ہے کہ میں نے اسوقت تک جناب احسن کو ایک لمحہ کے لئے بھی صحیح معنی میں شاعر سمجھنے کی غلطی کا ارتکاب نہیں کیا تھا اور میں ہمیشہ ان کو غیر شاعر ہونے ہی کی حیثیت سے ایک اچھا انسان جانتا تھا ، لیکن اب انٹر کالج میگزین کے جون لغایتہ ستمبر نمبر کے ملاحظہ سے (جو غزلوں کے ایک گلدستہ کی صورت میں جناب احسن کے مقالۂ افتتاحیہ کے ساتھ شایع ہوا ہے) ثابت ہوتا ہے کہ اگر انھیں اپنے شاعر نہیں تو کم از کم شاعروں کے نقیب ہونے پر ضرور اصرار ہے اور وہ میرے اُس خیال سے اسقدر برہم ہیں کہ مجھ سے اس کا انتقام لینے کے لئے ان کو ایک سے زاید تیر اپنے ترکش طعن و تشنیع سے نکال کر استعمال کرنا پڑے

کس منہ سے شکر کیجئے اس لطف خاص کا

جناب احسن مارہروی نے میرے مصلح اُردو ہونے کی حقیقت ، میری اصابت رائے کی نازش ، میری اعلیٰ ذہنیت کی مفروضیت اور "بادہوائی" خیالی رفعت کو بھی بے نقاب کرنے کی سعی فرمائی ہے ۔ لیکن بالکل حسبتہً للہ کیونکہ مبادا طلبہ کی ناتجربہ کار طبیعتیں اس سے مرعوب ہو جائیں اور وہ شاعری کا مشغلہ ترک کرنے کے بعد فلاح دارین سے محروم ہو جاتے ۔ پھر اے میرے محترم بزرگ اور طلبۂ علیگڈھ کے نقطۂ نظر سے ، اے آبروئے خلوت والے فخر انجمن ، میرے پاس تو کافی الفاظ بھی نہیں کہ آپ کے اس خلوص نیت ، اس استادانہ شفقت وکرم ، اس مصلحانہ انداز و شمایل اور اس بزرگانہ حزم و نگہداشت کی داد دے سکوں ۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اگر اس کی جزاء خیر آپ کو داور حشر کی طرف سے نہ ملی تو سب سا پہلا وہ شخص جو اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتا ہوا ، استناداً و برہاناً آپ کے اس گلدستہ کو پیش کریگا ، وہ میں ہونگا ، خواہ وہ کالائے بد بکھر بجائے آپ کے میرے ہی منہ پر کیوں نہ پھینک دیا جائے

سچ ہے اگر کالج کے طلبہ کو شروع ہی سے یہ درس نہ دیا جائے گا کہ محبت کے رموز کیا ہیں ، معشوق سے کیونکر باتیں کیجاتی ہیں ، ہجر و وصل کے شداید و لذاید کیا ہیں ، تو پھر قیس و فرہاد کی نسل کیونکر قایم رہیگی اور احسن صاحب اپنے "عشق پیرانہ سری" کے جوش میں کس پر یہ غمزۂ محبت صرف کرینگے کہ :۔

قسم اپنی ، ستم اپنا ، مری خواہش ، مرا نام یہی دو چار رہیں باتیں جو انھیں یاد نہیں

مجھے نہیں معلوم کہ یہاں جناب احسن کے سپرد کونسی خدمت ہے ، لیکن میں انسے درخواست کرونگا کہ اگر کبھی اس کا موقعہ ہاتھ آجائے تو اپنے اس شعر کی تشریح کرتے ہوے طلبہ کو کم از کم یہ ضرور بتا دیں کہ آپ کے محبوب نے کیا قسم کھائی تھی جو یاد نہیں رہی اور آپ کی وہ کونسی خواہش تھی جو پوری نہیں کی گئی ۔

یہ ہے وہ شاعری جسکو الشعراء تلامیذ الرحمان اور ان من الشعر لحکمۃ و ان من البیان لسحرا کی آڑ پکڑ کر جناب احسن

الج میں رواج دینا چاہتے ہیں۔ ملا غنیمت کا

بمکتب می رود طفل پریزاد مبارکباد مرگ نو باستاد

سنا آجتک بدنام ہے لیکن کس کے منہ میں زبان ہے جو جناب احسن مارہروی سے یہ بازپرس کرے کہ کالج کے حدود میں کمسن طلبہ کے سامنے اپنے محبوب کی قسم اور اپنی خواہش کی داستان دُہرانے کا اُن کو کیا حق حاصل ہے۔ کیا لوگ اپنے بچوں کو اسی یقین کے ساتھ وہاں بھیجتے ہیں کہ وہاں کا تم مشاعرہ سال میں دو چار مرتبہ ایسے پست و دنی مشاغل ایسے ذلیل و ردی جذبات ضرور ان میں رائج کریگا

میں نے اسی دسمبر ۲۸ء کے رسالہ میں یہ بھی ظاہر کیا تھا کہ "غریب بسم اللہ کے گنبد میں زندگی بسر کرنے والے نوجوان (طلبہ) کیا سمجھ سکتے ہیں کہ ہندوستان کا شاعر کسقدر عجیب و غریب چیز ہے اور اس کے اخلاق، نفسیات کے کتنے ناحل شدہ مسایل اپنے اندر پنہان رکھتے ہیں"۔ ہمارے احسن صاحب بانی محفل مشاعرۂ علیگڈھ کو یہ فقرہ بھی بہت ناگوار ہوا اور وہ سمجھے کہ شاید میں نے اسی سلسلہ میں ان کے اخلاق پر بھی حملہ کیا ہے۔ حالانکہ جو شخص شوق سندیلوی کی کتاب اصلاح سخن کا مطالعہ کرچکا ہے، وہ جانتا ہے کہ جناب احسن مارہروی کے خطوط (جو اس میں درج ہیں) ایسی معمولی دستاویزی شہادتیں نہیں ہیں، جن کے ہوتے ہوئے مجھے ان کے اخلاق پر روشنی ڈالنے کی یا اُن کو اپنے اخلاق سے روشنی ہٹانے کی جرأت ہوسکے۔ حقیقت یہ ہے کہ جناب احسن مارہروی کی یہ جسارت اس شخص کو بھی تھوڑی دیر کے لئے حیرت میں ڈالدینے والی ہے جو "بکفت چراغ دارد" کے نام سے بدنام ہے

رہا مجھے آیندہ مشاعرہ کے لئے "مع ساز و سامان" کے شرکت کی دعوت دینا سو میں ان کے اس نوید کا ہر ممکن احترام ملحوظ رکھتے ہوئے نہایت افسوس کے ساتھ اس حقیقت کے اظہار پر مجبور ہوں کہ اگر علیگڈھ کا ہجوم مشاعرہ، فردوس ہو تو بھی مرا وہاں کیا کام جب آپ ایسے رضوان نے پہلے ہی سے وہاں کی فضا کو داغدار و آلودہ بنا رکھا ہے

معاف فرمائیے میں آپ کی لغزش مستانہ سے اپنے ارتعاش لب ناکام کا تبادلہ کرنے کے لئے کبھی آمادہ نہیں ہوسکتا

تو و طوبیٰ و ما و قامت دوست فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

جناب احسن مارہروی نے یہ بھی مشورۂ مخلصانہ دیا ہے کہ جب کبھی میں علیگڈھ آؤں تو خسرو کے یہ دو شعر ضرور سن لوں کہ

نظم را علیٰ تصور کن بذات خود تمام کان نہ محتاج اصول و صوت خینا گر بود
در کند مطرب بسے ہان ہان و ہون ہون سرود چون سخن نبود ہمہ بے معنی و ابتر بود

میں شاعر نہیں لیکن چونکہ مشورہ صائب ہے اسلئے میں نگار کے ذریعہ سے تمام خینا گر قسم کے شاعروں کو پہونچائے دیتا ہوں ساتھ ہی اسی کے ساتھ میرا بھی ایک مشورہ احسن صاحب کے حضور میں ہے اور اگر برا نہ مانیں تو عرض کروں کہ جب وہ طلبہ کو درس شاعری دینے کے بعد فارغ ہوجایا کریں تو سعدی کے یہ دو شعر وہ خود بھی ضرور پڑھ لیا کریں

کریما بہ بخشائے بر حال ما کہ ہستم اسیر کمند ہوا
نداریم غیر از تو فریاد رس توئی شاعران را خطا بخش و بس

افسوس ہے کہ اس مہینہ مین زیادہ تفصیل کا موقعہ نہیں لیکن ماہ آیندہ میں اس گلدستہ کا پورا مطالعہ کرنے کے بعد بتاؤنگا کہ آپ حدود کالج میں تلامیذ الرحمان قسم کے شاعر پیدا کر رہے ہین یا تبہم! لغاؤ ن نوعیت کے اور پھر آپ کے "آبگینۂ حصار" مین آپکی "ابلہانہ گریز" کا تماشہ دیکھونگا، مین جانتا ہون کہ یونیورسٹی کے ہر ملازم کو ارباب یونیورسٹی کی نگاہ مین اپنے تئین فرد مفید ثابت کرنے کے لئے بہت سی تدابیر اختیار کرنا پڑتی ہیں اور جناب احسن حقیقتاً اس سے زیادہ کچھ نہین کرسکتے کہ ہر سال مشاعرہ کا ایک لغو و بے معنی ہنگامہ پیدا کر کے اپنے خداوندان رزق کے سامنے اپنے وجود کی اہمیت کو ثابت کرتے رہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ اُن کی اس "کارگاہ معاش فریب" کو دنیا کیون برداشت کرے اور اُن کے مصالح ذاتی پر فرزندان ملک کے اخلاق کی قربانی کیون چڑھائی جائے۔ اگر جناب احسن سوائے مشاعرہ سازی کے کسی اور خدمت کے اہل نہیں ہیں، تو اس کے یہ معنی تو نہین ہوسکتے کہ نوخیز طلبہ مین احسن صاحب کی اہلیت کے لحاظ سے مخصوص ذہنیت پیدا کیجائے۔ اور اس طرح نسل کی نسل کو تباہ و برباد کیا جائے

گزشتہ ماہ کے نگار میں بہ سلسلۂ "سیاح کی ڈائری" میرزا مظہر جانجانان کا ایک شعر درج ہوا ہے جس کے پہلے مصرعہ میں بجائے سر کے دل درج ہوگیا ہے۔ اصل مصرعہ یون ہے:۔

سر ازین تیغ بُردن آسان نیست

نیاز

جن حضرات کا چندہ نومبر و دسمبر ۱۹۲۹ء مین ختم ہو رہا ہے

وہ ذہن نشین کرلین کہ آیندہ نگار کی خریداری جاری رکھنے میں اُن کو کتنا فایدہ ہے:۔

(۱) کتاب سائنس کے عجائب ان کو مفت ملیگی

(۲) جنوری ۳۰ء کا رسالہ ۱۶۰ صفحات کا بغیر کسی اضافۂ قیمت کے حاصل ہو سکے گا۔

(۳) بعض ایسے ایسے نادر و دلچسپ مضامین مطالعہ میں آئین گے جو مشکل ہی سے کہین اور نظر آسکتے ہیں

(۴) شہاب کی سرگزشت قیمتی (عہ)، فراست الید قیمتی عہ، شاعر کا انجام قیمتی ۱۲ار جذبات بھاشہ قیمتی ۱۲ار ہر ایک کتاب نصف قیمت میں مل سکے گی۔

) تذکرۂ خندۂ گل جس کی قیمت چار روپیہ ہے معہ محصول صرف دو روپیہ میں ملسکیگا۔

نوٹ:۔ جدید خریدار بھی ان تمام رعایتوں سے فائدہ اُٹھا سکتے ہین

منیجر نگار۔ لکھنؤ

مومن وکلام مومن

(بسلسلہ سابق)

پیدائش اور خاندان

مومن خان سنہ ۱۳۱۵ھ مطابق سنہ ۱۸۰۰ء مین، محلہ کوچہ چیلان دہلی مین پیدا ہوے، ان کے والد کا نام غلام نبی خان تھا جو مشہور طبیب تھے، حکیم غلام نبی خان کے والد نامدار خان کشمیر کے رہنے والے تھے، قسمت آزمائی کے لئے ترکِ وطن کر کے دہلی آئے یہ زمانہ "شاہ عالم" کی حکومت کا تھا، طالع نے یاوری کی شاہی طبیبون مین داخل ہو گئے خدمات طبابت کے صلے مین بادشاہ کی طرف سے پرگنہ نارنول کے کچھ مواضعات بطور جاگیر عطا ہوے

ایسٹ انڈیا کمپنی نے جب جھجر کی ریاست نواب فیض طلب خان کو دی تو اس مین پرگنہ نارنول بھی تھا نواب صاحب نے نامدار خان کے ورثا کو ایکہزار روپیہ سالانہ پنشن دی اس مین حکیم مومن خان بھی شامل تھے، ایسٹ انڈیا کمپنی نے بھی مومن کو ۲۵ روپیہ ماہوار وظیفہ دیا تھا مومن کے والد حضرت شاہ عبد العزیز صاحب رح کے معتقد تھے اس لئے جب مومن پیدا ہوے تو شاہ صاحب نے ان کے کانون مین اذان دی، اور "مومن" نام رکھا جو نگین شہرت بنا

تعلیم و تربیت

مومن نے اول اول گھر پر تعلیم اور تربیت پائی، اس کے بعد حضرت شاہ عبد القادر اور حضرت شاہ عبد العزیز ایسے جید علماء سے فیض حاصل کیا، درسیات ختم کر کے اپنے خاندان مین طب کی تکمیل کی، وہین عرصہ تک نسخہ نویسی بھی کرتے رہے

علم طب کو شاعری سے براہِ راست بہ ظاہر کوئی تعلق اور مناسبت نہین لیکن "مومن" نے ان کو دونون کا ڈانڈا ملادیا ہے واکثر غزلون کے اشعار مین اس کے مسائل اس طرح بیان کئے ہین کہ شعر مین لطف پیدا ہو گیا ہے

جذبات شاعری کے ساتھ علم الابدان، اور تشریح اعضا مزاج انسانی کا پیوند ایسا ملایا ہے کہ ان کی شاعری کے لئے ایک میدان نکل آیا۔

طبابت کے علاوہ نجوم، اور جفر مین بھی ایسی مہارت حاصل کی کہ اس فن کے ماہرین ان کو استاد تسلیم کرتے تھے، شطرنج مین بڑے بڑے شاطران کے کمال کے معترف تھے، "مومن" نے ان علوم کو بیکار رہنے نہ دیا بلکہ اپنی شاعری مین اس طرح ممزوج کیا کہ اگر کوئی ماہر چاہے تو ان کی شاعری سے ان علوم کے اکثر مسائل کا پتا لگا سکتا ہے۔ اس کمال اور جدت مین "مومن" نہ صرف اردو شعرا مین یگانہ و یکتا ہین بلکہ فارسی شاعری مین بھی انکی طبیعت کے شاعر مشکل سے ملین گے

لباس اور حلیہ

مرزا فرحت اللہ بیگ دہلوی نے رسالہ اردو اورنگ آباد مین "سنہ ۱۲۶۱ھ مین دہلی کا ایک مشاعرہ" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا ہے اس مین حکیم مومن خان کا حلیہ اور لباس، وجاہت، خوش پوشاکی کا نقشہ

ان الفاظ مین کھینچا ہے

"حکیم مومن خان کی عمر تقریباً ۴۰ سال کی تھی، کشیدہ قامت، سرخ و سفید رنگ تھا جس مین سبزی جھلکتی تھی، بڑی بڑی روشن آنکھین، لمبی لمبی پلکین، کھینچی ہوئی بھوین لمبی سو توان ناک، پتلے پتلے ہونٹھ ان پر پان کا لاکھا جما ہوا، مسی آلودہ دانت ہلکی ہلکی مونچھین، خشخاشی داڑھی، بھرے بھرے ڈنڈ، پتلی کمر، چوڑا سینہ لمبی انگلیان، گھونگر دالے بال لمبے لمبے کاکلون کی شکل مین کچھ تو پشت پر اور کچھ کندھون پر پڑے ہوے، بدن پر شربتی ململ کا نیچی چولی کا انگرکھا لیکن اس کے نیچے کرتا ندارد، جسم کا کچھ حصہ انگرکھے کے پردے سے دکھائی دیتا تھا، گلے مین سیاہ رنگ کا فیتہ، اس مین چھوٹا سا سنہرا تعویز، کاکریزی رنگ کے ڈوپٹے کو بن دیکر کمر مین لپیٹ لیا تھا اور اس کے دونون کونے سامنے پڑے ہوے تھے، ہاتھ مین پتلا سا خار پشت، پاؤن مین سرخ گلبدن کا پاجامہ مہریون سے تنگ اوپر ڈھیلا، پاجامے کا کپڑا ہمیشہ ریشمی اور قیمتی ہوتا تھا، چوڑا سرخ نیفہ، انگرکھے کی آستینین آگے سے کٹی ہوئین، کبھی لٹکتی رہتی تھین، کبھی پلٹ کر چڑھا لیتے تھے، سر پر گلشن کی بڑی دو پلڑی ٹوپی، اس کے کنارے پر باریک لیس، ٹوپی اتنی بڑی کہ سر پر منڈھ کر آگئی تھی، اندر سے مانگ اور ماتھے کا کچھ حصہ اور بال صاف جھلکتے تھے"

جس زمانے کی یہ وضع اور لباس تھا اسوقت اس مین تکلف اور شوقینی کی انتہا ہو گئی تھی، مومن، کی متانت اور سنجیدگی مزاج، خودداری، تہذیب اس کے گواہ ہین کہ یہ وضع شرفا کی تھی، اب اگر اس وضع مین کوئی شخص رہے تو تماشہ بننے کے علاوہ غنڈون مین شمار ہو، ہر ملک را ہر رسمے کے سوا "ہر قرنے را ہر رنگے" بھی صحیح اور درست ہے

اسی اُردو نے "مومن" کی جو تصویر شایع کی ہے (اور جو نگار میں بھی نکل چکی ہے) اس سے "مومن" کی ذہانت، غور و خوض، فکر اور تعمق کا پورا پتا چلتا ہے، علم الابدان اور علم قیافہ کو جہانتک دخل ہے اس سے واضح ہے کہ مومن کے ایسے حلیہ کا آدمی کبھی معمولی اور عامی نہین ہوتا

حالات و سوانح

"مومن" رنگین مزاج ضرور تھے لیکن اوباش فطرت نہ تھے، طبیعت مین درد، سوز و گداز، عاشقانہ ادائین موجود تھین لیکن غیر محتاط نہ تھے جن تذکرہ نویسون نے ان کی ظاہری شکل و صورت، وضع و لباس پر انکی وارستہ مزاجی، آزادی (بقول بعض) اوباشی قیاس کی ہے وہ مع الفارق ہے یہ ثابت ہے کہ "مومن" نے ابتدائے جوانی مین شاہ سید احمدؒ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور آخر وقت تک اس بیعت کو نبھایا

رسالہ "نگار" جنوری ۲۸ء صفحہ ۱۳ پر یہ عبارت ہے کہ:-

"مومن کی شاعری پر شاہ سید احمد کی تعلیمات کا اثر تھا"

شاہ سید احمد صوفی اور درویش کامل تھے، ان کی تعلیم مقامات تصوف ہمہ اوست، فنا و بقا، دنیا کا عالم مثال ہونا، وحدت وجود وغیرہ پر مشتمل ہوتی ہے جس کے لوازم طبیعت کا گداز، خودداری، توکل، عاشقانہ رنگ، "آہ سرد و رنگ زرد و چشم تر" ہین

"مومن" کے کلام مین شروع سے اخیر تک تصوف موجود ہے اس کی تفصیل آتی ہے اس جگہ اصولی طور پر ایک امر ذہن نشین کرلینا چاہئے کہ عشق مجازی" کے جو لوازم ہین وہ عشق حقیقی کا عکس ہین، اگر مومن کی شاعری اور غزلیات مین عشق، درد، جذبات سوز و گداز موجود ہے تو رموزِ تصوف سے انکار نہین کیا جاسکتا، درآنحالیکہ یہ ثابت ہوچکا ہے کہ "مومن" ایک پیر طریقت کے مرید اور خمخانہ تصوف کے میکش اور سرشار تھے۔ "مومن" پر جس قسم کے اتہامات لگائے گئے ہین انکی شکل ان الزامات سے ملتی جلتی ہے جو شیخ سعدی، ایسے بزرگ پر تراشے گئے ہین

شیخ سعدی اور مومن

شیخ سعدی" کے جذبات تغزل کا بعض واقعات رسمی کی بنیاد پر" امرد پرستی" سے منسوب کرنا بالکل بے اصل اور بے حقیقت ہے اس سلسلے مین اس کا اجمالی بیان نامناسب نہ ہوگا

فارسی تغزل کی بنیاد" امرد پرستی" ظاہر کی جاتی ہے شیخ سعدی فارسی "تغزل" کے امام یا موجد تھے اس لئے ظاہر ہے کہ یہ جدت، اور اس مین رنگ تغزل کی بلندی بالکل نئی چیز تھی اس لئے شیخ، کا دامن امرد پرستی" کے واقعات خود ساختہ سے ملوث کیا گیا

یہ بھی پیش نظر رکھنا چاہئے کہ اس قسم کے لغو الزامات شیخ سعدی کے زمانے مین ایران کے اندر ان کے ہم منزلون اور ہمچیالون کی طرف سے عائد نہین کئے گئے بلکہ اغیار کی طرف سے ان کے وطن سے باہر ان کے زمانے کے بہت بعد لگائے گئے ہین، اس لئے حقیقت ظاہر ہے

شیخ کے متعلق ایک واقعہ گلستان کی ایک حکایت کے بیان کے مطابق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ "انھون نے ایک نوعمر، سبزہ آغاز شخص کے بوسے لئے تھے" استغفر اللہ کجا شیخ سعدی کجا یہ الزام "صورت حقیقت یہ ہے کہ ایران مین یہ رواج پہلے بھی تھا اور اب بھی ہے کہ رخصت ہونے یا رخصت کرنے کے وقت فریقین ایک دوسرے کے سر اور پیشانی چومتے تھے، کبھی ایک ہی فریق کی طرف سے یہ اظہار گرمجوشی ہوتا تھا اس مین عمر اور قد کی کوئی قید نہین، الزام دینے والون نے صرف اس رسم کو سامنے رکھ کر الزام کا پہاڑ بنا لیا

شیخ سعدی عالم متبحر، متورع، پارسا، ابوالفرح ابن جوزی ایسے سخت متشرع پیر کے مرید تھے جن کے نزدیک "سماع" تک احتیاط کے خلاف تھا شیخ سعدی ان کے پیرو تھے، تہجد گزار، متعدد حج پاپیادہ کئے تھے، ان کے نسبت اس قسم کا خیال صرف راویون کی اُپج، ہے یا تعصب اس کے سوا کچھ نہین

جذبات تغزل کی بنیاد پر اس الزام کی صورت اس لطیفے سے ملتی جلتی ہے کہ "کسی نے کسی سے پوچھا کہ مجاہد کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جس کے لمبی داڑھی ہو"

"مومن" غریب پر بھی یہ الزام بالکل یہی نوعیت رکھتا ہے" جس طرح شیخ سعدی کی غزلین واقعات امرد پرستی بن گئین اسی طرح مومن کی مثنوی، داسوخت، ان کی آزادی، وراستہ مزاجی اوباشی کا خط و خال بنگئین۔ ان افسانون پر آیندہ گفتگو ہوگی

مومن کی طرف سے جن الزامات کی تردید کی گئی ہے اس پر مزید برہان اور حجت کی ضرورت ہو تو ان کے حالات اور

خصائل پر نظر کیجئے

"مومن" طبعًا نہایت غیور اور خود دار تھے ان کا دوش احسان کے معمولی بوجھ سے بھی کبھی آشنا نہ ہوا

قناعت اور توکل انکی گھٹی مین تھے، وطن پرستی ان کے ایمان کا جز تھا انہین وجوہ سے اپنے ہی آستانے پر پڑے رہے دہلی سے باہر کبھی نہیں گئے

راجہ کپور تھلہ نے ان کو دہلی سے طلب کیا ساڑھے تین سو روپیہ ماہوار تنخواہ مقرر کی، خرچ سفر بھی بھیجا، مومن کو راجہ صاحب کی قدردانی کا پورا علم تھا، جانے پر آمادہ ہو گئے لیکن جب معلوم ہوا کہ ریاست مین ایک گانیوالے کی بھی یہی تنخواہ ہے تو اپنا ارادہ فسخ کر دیا

سنہ ۱۸۴۲ء مین ان کو کالج کی پروفیسری پیش کی گئی اس سے بھی انکار کیا

مومن کے پیر بھائی والئی ٹونک نے ان کو بلانے اور اپنے ساتھ قیام کرنے کی کوشش کی، مگر معذرت کر دی اور نہ گئے چار یا پانچ بار ان کو وطن چھوڑ کر رام پور، بدایون، سہسوان سہارنپور، جہانگیر آباد جانا پڑا اور ان کے مذاق اور طبیعت کے مطابق آرام بھی تھا عزت بھی تھی لیکن قبلۂ وطن دہلی ان کے دل کا ہمیشہ قبلہ نما بنا رہا

"حب الوطن من الایمان" کو اپنے عمل سے صحیح ثابت کر دیا، مسٹر رام بابو سکسینہ اس خصوصیت کو اپنے الفاظ مین اس طرح ادا کرتے ہین "انھوں نے پانچ بار دہلی کو چھوڑا، لیکن محبت کی وطن نے ہمیشہ ان کو اپنی طرف کھینچ لیا .... راجہ اجیت سنگھ رئیس پٹیالہ دہلی مین رہتے تھے، سخاوت مین مشہور تھے، مومن خان کو قیمتی ہودج کے ساتھ ہتھنی دی، خانصاحب نے اظہار شکریہ مین قصیدہ کہا جسکا مطلع یہ ہے

صبح ہوئی تو کیا ہوا ہے وہی تیرہ اختری کثرت دود سے سیاہ شعلۂ شمع خاوری

پورے قصیدے کو دیکھئے اس مین مومن خان کی شان کہین کم نہین ہوئی ہے اور ممدوح کو غلط اوصاف سے متصف کر کے، نامناسب اور ناجائز مبالغے سے متہم نہین بنایا ہے

آزاد کی رائے ہے کہ سوا اس قصیدے کے کوئی اور مدح کسی دنیادار کی صلہ کے توقع پر نہین لکھی

"مومن نے اس قصیدے کو قصیدہ کے پورے معیار پر لکھا ہے اس کی تفصیل موقع پر آتی ہے

"مومن" مین خدا نے ذہانت اور ذکاوت کے ساتھ غیر معمولی قوت حافظہ عطا کی تھی، دنیا مین ایسے لوگ غیر معمولی کہے جاتے ہین جن مین یہ دونوں قوتین ہوتی ہین

ان دونوں قوتوں سے مالامال ہستیوں نے جو کچھ کیا ہے وہی "مومن" نے بھی کیا

شیخ ابن سینا نے فلسفہ اور دوسرے علوم کے ساتھ جو کچھ کیا ہے وہی مومن نے، شاعری میں جوہر دکھائے ہیں اگر ان کی شاعری کی حقیقت سمجھی نہ گئی تو مومن کا کیا قصور ہے

"مومن" خوددار ضرور تھے لیکن مغرور و متکبر نہ تھے، وہ کسی کی مدح یا ذم اپنی طبیعت کے خلاف کبھی گوارا نہ کرتے تھے لیکن اظہار حقیقت مین ان کو کبھی عار نہ تھا

جن تذکرہ نویسون نے یہ لکھا ہے کہ "وہ کسی کے کمال کا اعتراف نہ کرتے تھے" مومن پر بہتان اور ان کے وصف "اعتراف حقیقت" کی پردہ پوشی ہے

رسالہ اُردو اکتوبر ۱۹۲۷ء کے صفحہ ۵۹۲ پر مرزا فرحت اللہ بیگ کے مضمون کی یہ عبارت دیکھئے "مومن نے غالب کے متعلق یہ الفاظ کہے ہین

"غالب کے رنگ مین شعر کہتا تو کیا وہ یا ان کے استاد پہلے مرزا نوشہ کے شعرون کو سمجھ تو لین"

یہ الفاظ مومن نے ہدہد الشعرا اور ان کے استاد کے متعلق کہے تھے، "مومن نے پیشہ طبابت پر رزق کا انحصار نہین کیا تو شاعری نجوم، رمل و جفر سے کیا کسب زر کرتے

حاصل کلام یہ ہے کہ "مومن" خوددار، وطن پرست، متوکل، انصاف پسند، ذہین و زکی، قوی الحافظہ، سوز و گداز اور دردِ عشق کی تصویر تھے۔

خصوصیاتِ کلام

"مومن" کے تمام اصنافِ سخن پر بحث اور تبصرہ کرنے سے پہلے "غزل" پر اظہار خیال ضروری ہے کیونکہ "غزل" ہی کے میدان مین "مومن" آفتاب بنکر چمکے اور اصناف اس آفتاب کی کرنین ہین، مومن اپنے کمال اور خداداد مہارت کے اعتبار سے جو مشہور نہ ہوے اس کی وجہ یہ ہے کہ انھون نے عام روش سے علیحدہ اپنا راستہ بنا یا تھا اس راستے کو کسی نے "بدعت"، کسی نے "تماشا" کسی نے "چیستان" کسی کے "معما" کہا۔ حالانکہ وہ اپنی شاعری بالخصوص تغزل کے اعتبار سے جتنی بلندی پر ہین وہان تک نظر پہونچنا بھی مشکل ہے، اس لئے جو لوگ یہ سب کچھ کہتے ہین انکی خطاے نظر ہے "ہسٹری آف اُردو لٹریچر" صفحہ ۱۵۰ مین رام بابو سکسینہ نے بلیغ الفاظ مین "مومن" کے امتیاز کو نمایان کیا ہے لکھتے ہین کہ:۔

"مومن اپنے خیالات کی بلندی اور بلند پروازی کی ندرت مین سب سے الگ اور ممتاز نظر آتے ہین، ان کے تشبیہات اور استعارے معمولی سطح سے اسقدر بلند ہین کہ ان کے اشعار ان خصوصیات مین بالکل نمایان ہین

"مومن نے خیالات بلند اور الفاظ شاندار کو اپنی شاعری مین یکجا کر دیا ہے۔ وہ "عاشق تن" شاعر ہین لیکن ان کے عشق کا ذریعہ اظہار غزل ان کے کمالات کی وجہ سے غیر معمولی ہے"

تعجب ہے کہ جس فرض کو مدعیان اُردو تذکرہ نویسون نے ادا نہین کیا اس کو رام بابو نے چند الفاظ مین ادا کر دیا۔ مومن کے اوصافِ شاعری کی تفصیل کیجائے تو یہی الفاظ ہونگے جو رام بابو نے اختیار کئے ہین

یہ کیسی بوالعجبی اور افسوسناک حیرت ہے کہ "مومن" کا کمال بعض غلط بین نگاہون مین عیب اور نقص ہے

مین نے اپنے ماہانہ رسالہ "تعلیم" اور "سحبان" مین ایک لطیفہ درج کیا تھا ایک صاحب اوعا، مدعی سخن فہمی نے

مجھسے بھی شاعرون کے تذکرے پر کہا کہ "مومن" کا کلام بیشتر مہمل ہوتا ہے، مین نے تعجب سے پوچھا کہ کوئی مہمل شعر پڑھیے، حضرت نے یہ شعر پڑھا ؎

کر علاج دردِ وحشت چارہ گر لادے اک جنگل مجھے بازار سے

مین نے پوچھا اس شعر پر کیا اعتراض ہے؟ جواب ملا کہ جنگل کہین بازار مین ملا کرتا ہے؟

مین نے کہا اس شعر مین "مومن" نے کمال بیان کی قدرت دکھائی ہے، اس شعر مین ایک طرف فصاحت دوسری طرف بلاغت ہے شاعر کہتا ہے کہ جس طرح بازار مین جنگل نہین ملتا (کیونکہ یہ کوئی سودا نہین) اسی طرح دردِ وحشت کا علاج ناممکن ہے طریقۂ بیان نے مضمون کے سونے کو سکّہ بنا کر اقلیم سخن مین جاری کیا ہے

اہلِ فن جانتے ہین کہ بلاغت کا یہ انداز "اعجاز" کا مرتبہ رکھتا ہے جو "مومن" کے سوا کسی کو نصیب نہین لفظی شکوہ مین معنوی طلسم کا انتظام جادو بن گیا ہے، اگر مہمل گوئی کا یہی معیار ہے تو "موضوع گوئی" کو کیا کہا جاے۔ اس کی مثال بالکل اس اعتراض سے ملتی جلتی ہے کہ "عربی۔ فارسی۔ اردو اس لئے بہتر زبان نہیں ہیں کہ سیدھی طرف سے لکھی جاتی ہین؟ یوروپ کے ایک فلسفی نے اپنی ایک تقریر میں یہی درفشانی کی تھی جب دعویٰ اور دلیل کی یہ صورتین ہون تو اہلِ تحقیق کو قلم رکھدینے کے سوا چارہ نہین

اس ضمنی بحث کے بعد اصل موضوع سے پہلے حقیقت شعر اور تغزل پر نقد وبحث کی حاجت ہے

ایک شاعر جب شعر کہتا ہے تو فضا، آب وہوا، زمانہ، اپنے علم وفضل، واقعات، وحالات سے متاثر ہوتا ہے، بلکہ یون کہنا چاہیٔے کہ شاعر کی طبیعت اثرات مذکورہ بالا سے متاثر ہوتی ہے اور شعر اس کی طبیعت کا خاکہ ہوتا ہے دونون بیانون کا حاصل ایک ہے شاعر کا یہ کمال ہے کہ وہ جس قسم کے خیالات ظاہر کرنا چاہتا ہے اسی اعتبار سے "الفاظ" "ترکیب" "بندش" کو پیش نظر رکھتا ہے نہ یہ کہ ہر قسم کے خیالات، مسائل فلسفہ وطبیعات، علوم وفنون کو مقررہ زبان یا ترکیب مین ادا کر سکتا ہے، کیونکہ یہ امر بغیر کسی دلیل کے مسلم ہے کہ تمام خیالات ایک زبان اور ایک لہجہ مین ادا نہین ہو سکتے

اصنافِ سخن پر نظر کیجئے قصیدہ۔ غزل۔ مثنوی۔ مرثیہ۔ واسوخت، ہجو، رباعی۔ بند علیحدہ علیحدہ اسلوب سے بیان کئے جاتے ہین غور سے دیکھئے تو انکی زبان اور الفاظ مین بھی بیّن فرق ہوتا ہے۔

اس پر یہ دلیل قائم ہوتی ہے کہ "اثر معنی کے تابع ہے، معنی الفاظ کے تابع"

جب مرثیہ کا اثر قصیدے سے علیحدہ تسلیم کیا جا سکتا ہے تو اسی دلیل سے مرثیہ کے الفاظ وطرز ادا کا قصیدے سے علیحدہ ہونا مسلم ہے، ایس جانسن، لائیوز آف دی پوٹیس مین لکھتے ہین:۔

"الفاظ وتراکیب کے اُس انتخاب پر بہت کم توجہ کیجاتی ہے جو نظم کو نثر سے علحدہ کر دیتے ہیں"

اسی سلسلہ میں آگے لکھتے ہیں:۔

نہ تو گل خار سے علحدہ کئے گئے اور نہ مختلف رنگ باہم گر ....
اس طرح ملائے گئے کہ ہر رنگ میں جان پڑجاتی ....

....

....

....

ای۔ ایس ڈیلاس کی رائے ہے کہ:۔

"الفاظ، خیالات کے اظہار کا ذریعہ ہوتے ہین اور ہر فن کے لئے مخصوص زبان ہوتی ہے"

اس کا مطلب یہ ہے کہ "اگر داستان غم اور مضمون رنج بیان کرنا ہے تو اسی مناسبت سے الفاظ لانا چاہئے، خوشی اور مسرت کے اظہار مین اسی قسم کے الفاظ استعمال کئے جائین، یہی شاعر کا کمال ہے، جو شاعر اس اعتبار سے جس قدر کامیاب ہے اسی قدر باکمال سمجھا جاتا ہے

"شکسپیر" اپنے اسی کمال کی وجہ سے مشہور ہے، وہ فطرت نگار" ہے طبائع پر اس کو عبور ہے، جس کا کیریکٹر بیان کرتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس پر وہ حالت خود طاری ہو رہی ہے، فارسی مین فردوسی، کا شاہنامہ اردو مین مراثی انیس و دبیر، اردو ڈرامون مین آغا حشر کے ڈرامے ان خصوصیات کی وجہ سے مشہور ہین

خاقانی اور ذوق نے فارسی اور اردو مین قصیدہ گوئی کا معیار قائم کیا اور اس کے مطابق الفاظ لائے، اس لئے ان کا درجہ بہت بلند ہے عربی مین یہی خصوصیات اس مرتبہ کمال پر پہونچ جاتی ہین کہ بالآخر معجزہ بن جاتی ہین، انسان کو اس کے مثل کہنے کا یارا نہین رہ جاتا ہے

اس کا نام قرآن ہے

ہندی (بھاشا) شاعری مین اصطلاح معین کے بموجب "رس" خاص چیز ہے، اس کے اصلی معنی ذائقہ کے ہین، اصطلاح مین اظہار جذبات کا نام ہے،

اس کی نو قسمین ہین

۱۔ شرنگار۔ اس کے ذریعہ سے خواہش نفسانی کا اظہار ہوتا ہے اس کے مطابق الفاظ لاتے ہین

۲۔ ہاسی۔ آواز یا حرکت کی وجہ سے تاثر

۳۔ کرونڑا۔ ہجو وغیرہ کے جذبات

۴۔ رادد۔ غصہ کے جذبات

۵۔ ویررس۔ اس مین خوشی کے جذبات کا اظہار ہوتا ہے

۶- بھیانک رس - خوف کے جذبات ظاہر کئے جاتے ہین

۷- وی بھتس - اظہار توہین کے جذبات

۸- ادبھت - حیرت اور استعجاب کا اظہار ہوتا ہے

۹- شانت - خدا کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جانا یا اس قسم کی تاثیر کا اظہار

ہندی شاعری مین الفاظ، کے اعتبار سے ترنم بھی ہوتا ہے اس ترنم کے لحاظ سے راگ اور راگنی وسیع علم بن گیا ہے جس کا جواب ہندوستان کے باہر نہین ملتا۔

ہندی مین ایک ایک رس کی متعدد قسمین ہین ان سب کو یکجا کر کے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ رس کی شاعری نے انسانی جذبات کو کس طرح سمجھا ہے؟

موضوع بحث کو مسلسل کرنے اور ترتیب مقدمات کے بعد نتیجہ نکالنے کے لئے فصاحت اور بلاغت کا ذکر بھی ضروری ہے

یوروپ مین ایسا کریس علم معانی وبیان کا معلم اول ہے اس نے فصاحت کی تعریف ان الفاظ مین کی کہ "وہ فن ترغیب وتحریص ہے"

ابن سنان کے نزدیک فصاحت کا مدار ذیل کے اصولون پر ہے:۔

۱- لفظ مانوس ہو، یعنی اہل زبان استعمال کرتے ہون، زبانون پر روان ہو، اسی کی بناوٹ مین کوئی غرابت نہ ہو اوضاع لغوی سے خارج نہ ہو (یعنی دریا کہہ کر پہاڑ، زمین کہکر آسمان مراد نہ لین)۔

۲- لفظ آسانی سے زبان پر جاری ہو سکے، سننے مین دلکش ہو

۳- بحیثیت استعمال لفظ سہل ہو، اور معنا دلنشین ہو

۴- سختی اور نرمی مین حسب موقع کارآمد ہو، غصہ کے موقع پر اظہار غصہ ہو سکے، صبر اور حلم کی جگہ اس کا اظہار ہوتا ہو

معنوی خصوصیات یا مفہوم اور مطلب کا اظہار اس طرح ہو کہ ادراک اور احساس کو اس سے لذت ہو ایک لفظ کثیر معانی پر دال ہو

مومن کا ایک شعر ہے:۔

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہین ہوتا

لفظ "گویا" اس جگہ اسقدر بلیغ ہے کہ اس سے زیادہ کوئی لفظ اس مفہوم کو ادا کرنے والا مشکل سے ملیگا

آئمہ فن نے اس پر مبسوط بحثین کی ہین اس جگہ ان کا ذکر موضوع اور مضمون کو ناگوار طویل بنا دیگا

یہان ضمنی طور پر یہ بحث پیدا ہوتی ہے کہ خوبی عبارت کو لفظ سے تعلق ہے یا معنی سے

ایک گروہ کا دعویٰ ہے کہ اس کا تعلق الفاظ سے ہے دوسرا فریق معنی کو کہتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ تنہا نہ تو لفظ ہی مقصد کو پورا کرتا ہے اور نہ تنہا معنی بلکہ دونون سے معانی مطلوب پیدا ہوتے ہین

تنہا نہ تو کوئی لفظ فصیح ہے اور نہ بلیغ۔ بعض وقت غیر فصیح الفاظ ترتیب سے آکر فصیح ہو جاتے ہیں۔ مثلاً عربی میں ضیزیٰ "کا لفظ ہے، ایک لفظ میں "ض" اور "ز" کا اس طرح جمع ہونا فصاحت کے خلاف ہے لیکن قرآن میں جہاں یہ لفظ استعمال ہوا ہے نہایت فصیح ہے "تلک اذا قسمۃ ضیزیٰ"

لفظ بمبوق، بیچ بچون، "ڈگڈمبر" بہ ظاہر غیر فصیح ہیں لیکن ان سے اگر مذاق مراد ہو اور ترتیب میں یہ معنی پیدا ہوں تو اپنی جگہ بہت فصیح ہیں

مومن نے اپنے اشعار میں الفاظ کی فصاحت، معانی کی بلاغت، ترتیب کی خوبی زبان کی سلاست، بندش کی بیساختگی کا یکجا اس طرح اہتمام کیا ہے کہ کہیں دوسری جگہ نظیر نہیں ملتی۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ شاعری میں مومن کا مرتبہ مجتہد اور امام کا ہے ہمارے دعاوی کی دلائل بھی اس جگہ دیکھ لیجئے ؎

۱۔ تم مرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

لفظ "گویا" کی "فصاحت" پر ایک طرف نظر کیجئے اور اسکی معنوی بلاغت پر دوسری طرف نگاہ رکھئے، ترکیب میں "گویا" جہاں واقع ہے اس پر بھی نظر کیجئے پھر پورے شعر کی بندش اور سلاست پیش نظر رکھئے، کیا یہ مثال دوسری جگہ مل سکتی ہے؟

لفظ "گویا" اگر دوسری جگہ رکھدیا جائے یا شعر کے الفاظ میں کچھ تغیر کر دیا جائے تو یہ تناسب اور یہ لطافت قائم نہیں رہ سکتی یہ مومن کے کمال اور ہمارے دعوی کی کھلی ہوئی دلیل ہے۔

فصاحت الفاظ:۔ ؎

۲۔ پھوڑا تھا دل نہ تھا یہ موے پر خلل گیا جب ٹھیس سانس کی لگی دم بھی نکل گیا

اس شعر میں الفاظ ٹھیس، پھوڑا، سانس، دم کی فصاحت لفظی دیکھئے۔

مومن نے چونکہ پہلے مصرعہ میں لفظ پھوڑا، استعمال کیا ہے اس لئے دوسرے مصرعہ میں "ٹھیس" لگنا کہا ہے، پھوڑے "میں ٹھیس لگتی ہے اس کے لئے اس جگہ دوسرا لفظ موزون نہیں ہو سکتا، اس طرح "ٹھیس" کے لئے پھوڑا لازم تھا، ٹھیس لگنا نازک سے نازک تر چیز کے لئے استعمال ہوتا ہے، اس جگہ اس لفظ نے بتا دیا ہے کہ پھوڑے کی حالت نازک سے نازک تر تھی

"سانس" کا لفظ چونکہ آچکا تھا اس لئے "دم" سے زیادہ کوئی لفظ موزون اور مناسب نہ تھا

اب معنوی بلاغت دیکھئے:۔

دل کو پھوڑا، کہا اس لئے کہ اس کی صورت اس سے ملتی ہوئی ہوتی ہے پھوڑا مواد سے بھرا ہوتا ہے، دل کا بھرنا اور بھر آنا بھرا ہوا ہونا وہ صفتیں یا مصادر میں جو مستعمل ہیں۔ لہذا معنوی حیثیت سے اس کے تناسب کا اعجاز ملاحظہ فرمائیے

"دم" کے دوسرے معنی "خون" کے ہیں، اب دم نکل جانے کی خوبی بلاغت دیکھئے جس طرح پھوڑے سے مواد و خون اور ریم نکلتا ہے، اسی طرح سانس کی ٹھیس لگنے سے دم یا جان یا خونِ دل نکل گیا، خونِ دل بھی جان ہی ہے، اس جگہ "مومن" نے

اپنی حکمت وطبابت کو بھی ہاتھ سے جانے نہین دیا۔

پھوڑے مین ہر چیز سے ٹھیس لگتی ہے لیکن دل کی ایسی نازک چیز مین سانس کی ٹھیس کافی نہین ضروری ہے پھر دل۔ سانس۔ دم۔ کی مناسبت نے معنوی خوبیون کے نگینے شعر کی انگشتری مین مناسب اور موزون ترین مقامات پر جڑدئے ہین ۔نزاکت، اور تلاش نے ایک طرف سلاست، زبان اور بندش نے دوسری طرف اس شعر کو بیمثال کر دیا ہے

اس شعر کا کمال دیکھئے کہ اس کا کوئی لفظ بدل دیجئے یا ترکیب اور ترتیب مین ردوبدل کیجئے تو شعر بدل جائے گا اور یہ خوبی باقی نہ رہیگی "مومن" کے اعتراف کمال کے لئے یہ کافی ہے

دوسرا شعر حمد کے سلسلے مین مناجات کا ہے

۳۔ خدایا ہاتھ اُٹھاؤن عرضِ مطلب سے بھلا کیونکر کہ ہے دستِ دعا مین گوشہ دامانِ اجابت کا

اس شعر کے اجزائے ضروری ہاتھ اُٹھانا۔ دستِ دعا۔ دامانِ اجابت ہین "مومن چونکہ دعا کر رہا ہے (مومن کی مناسبت معنوی کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے) اس لئے ہاتھ نہین اُٹھا سکتا یعنی ناامید نہین ہو سکتا۔

ہاتھ اُٹھانے کے دوسرے معنی بھی ہوتے ہین اس کو اس مضمون سے مقید کر لیا ہے کہ دست دعا مین چونکہ دامانِ اجابت کا گوشہ ہے اس لئے نہین اُٹھا سکتا مبادا وہ چھوٹ جائے جو عین مدعا ہے

پہلے مصرعہ مین ہاتھ اُٹھانا دوسرے مین دست دعا ہے بظاہر لفظاً تکرار ہے لیکن معنوی اعتبار سے ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ ہے مقصود دعا اور اجابت کے لئے ان الفاظ سے زیادہ اگر کوئی موزون الفاظ ہو سکتے ہین تو ان کو لا کر دیکھئے کہ شعر کی یہ خوبی باقی رہتی ہے؟

۴۔ درد ہے جان کے عوض ہر رگ وپے مین ساری چارہ گر ہم نہین ہونے کے جو درمان ہوگا

یہ شعر لفظی خصوصیات کے اعتبار سے زیادہ معنوی خصوصیات کی شان رکھتا ہے۔ الفاظ دردؔ۔ جانؔ۔ چارہ گر۔ درمان اس انگشتری کے نگینے ہین جو اپنی جگہ پر موزون تر ہین

معنوی بلاغت دیکھئے کہ "مومن"، کہتا ہے کہ اب "درد" طبیعت اور خون بن گیا ہے جو جسم کے ہر حصہ مین موجود ہے جس طرح جان جسم مین ہر جگہ موجود ہے (یہ مسئلہ بھی مومن کے فلسفہ طب کو آشکار کرتا ہے) لہٰذا اس کا علاج نہین ہو سکتا علاج کے معنی یہ ہین کہ "درد" دفع ہو اور وہ جان بن گیا ہے، لہٰذا درمان سے درد کی جگہ "جان"، کا دفعیہ ہوگا، جب جان جسم مین باقی نہ رہی تو انسان زندہ نہ رہا، اس زندہ نہ رہنے کو ان الفاظ مین بیان کیا ہے کہ ہم نہین ہونے کے، اس سے بہتر طرز بیان ہونا خیال مین نہین آتا۔

اس ترکیب کی دوسری خوبی ملاحظہ فرمائیے، متکلمین اور علمائے فلسفہ کے نزدیک "انسان" مجموعہ جسم وجان کا نام ہے، یعنی انمین سے اگ کوئی جزو نہ ہو تو انسان مکمل نہین۔ "مومن" نے اس مسئلہ کو سامنے رکھ کے بلیغ الفاظ استعمال کئے ہین "ہم نہین ہونیکے"

"مومن" نے "جان کے عوض" کہکر درد ہی کو جان بنا دیا ہے "جان کی طرح" اگر کہتے تو دوسرے مصرعہ مین یہ خوبیان پیدا نہ ہو سکتی تھین

معنوی اعجاز کے علاوہ "زبان" کی کرامت کو بھی ہاتھ سے جانے نہین دیا ہے۔ "ہم نہین ہونے کے جو درمان ہوگا" یعنے اگر درمان ہوگا تو ہم نہ ہونگے دوسرے الفاظ مین یا تو درمان ہو، یا ہم ہون، کیسا محاورہ اور کیسی زبان ہے

۵۔ چارہ گر جنت مین اس کے آستان سے لے گئے ایک بھی میری نہ مانی لاکھ سر پٹکا کیا

اس شعر کے اجزاے ضروری جنت ۔ آستان ۔ سر پٹکا کیا ۔ لیگئے ۔ میری نہ مانی ہین

لفظی تناسب اور اعتبار سے پہلے مصرعہ مین چونکہ "آستان" کہا ہے اس لئے دوسرے مصرعہ مین "پٹکنا" استعمال کیا ہے، آستان معشوق پر عاشق سر پٹکتا ہے یہ مضمون عام ہے قریب قریب اکثر شاعرون نے لکھا ہے "مومن" کی تلاش اور انداز اس کا پابند کیونکر ہوتا؟ وہ کہتا ہے کہ :۔

"چارہ گر آستانِ یار سے جنت مین علاج عشق کے لئے لیگئے، لیکن عاشق کو جنت سے کیا کام اس لئے آستانِ یار کا چھوڑنا گوارا کیونکر ہوتا اس ناگواری کو سر پٹکنے سے ظاہر کیا ہے، ایک بھی میری نہ مانی، محاورہ اور زبان کی بیساختگی ہے اس سے اور چار چاند لگا دیئے ہین۔ "لاکھ سر پٹکا کیا؟ بلاغت کی روح ہے"

۶۔ لاش کس کی ہے یہ عدو سے نہ پوچھ مین ہون کشتہ ترے تجاہل کا

اجزاے شعر لاش ۔ کشتہ ہین لفظی اعتبار سے لاش کے ساتھ کشتہ، کا ذکر ضروری تھا معنوی خوبی دیکھئے کہ :۔

"معشوق، رقیب سے عاشق کی لاش کو دیکھ کر پوچھتا ہے کہ یہ کس کی لاش ہے، (حالانکہ وہ جانتا پہچانتا ہے) عاشق زبانِ حال سے کہتا ہے کہ یہ عدو یا رقیب سے پوچھنے کی بات نہین، یہ تو مجھسے پوچھو کہ مین کون ہون؟ مین تمہارے ناز تجاہل کا مارا ہوا ہون۔ یہ "تجاہل" چاہے معشوق کا عام انداز ہو یا اس وقت وقتِ خاص کا مین ہون کشتہ ترے تجاہل کا" کیسا دلپذیر لہجہ ہے زبان نے اس کو چمکا کر آفتاب بنا دیا ہے۔"

حاصل کلام

"مومن" کے دیوان مین شروع سے آخر تک یہ کمالات اور کرامات شاعری موجود ہین، جنکا وجود ابتداء سے ابتک کہین نہین ملتا یہ ہے کہ "مومن" نے اپنے تمام کلام بالخصوص غزلیات مین، الفاظ کی فصاحت معانی کی بلاغت، ترکیب کی خوبی ترتیب کی موزونی، زبان کی سلاست جذبات کے نشتر، بندش کی بیساختگی مضمون کی بلندی ۔ تلاش ۔ طرز ادا یکجا کر دیئے ہین پھر کمال یہ ہے کہ اس اہتمام سے ان کا تمام دیوان شروع سے آخر تک بھرا پڑا ہے۔

سب سے زیادہ عجیب اور غریب خصوصیت "مومن" کی یہ ہے کہ آورد کے اہتمام مین اندازِ بیان سے "آمد" کی بیخودی اور دلیری پیدا ہو گئی ہے، مومن ابھی اس صفت مین دنیاے شاعری مین منفرد اور اکیلے ہین

یوروپ کے اہلِ قلم "شکسپیر" کی تعریف کرتے ہوے لکھتے ہین کہ "اس نے اپنی گرامر، اور زبان علیحدہ کر لی ہے

ان لوگون کو یہ معلوم نہین کہ یہ کسی کے کمال کی تعریف نہین ہو سکتی، عام راستہ سے الگ راہ طیار کر کے ہر شخص چلنے کی مقدرت رکھتا ہے، کمال اس کا نام ہے کہ اس راہ پر اس طرح چلے کہ نظرون کے ساتھ انگلیان بھی اُٹھنے لگین

"مومن" نے اپنے اسی کمال کا اظہار کیا ہے، وہ قواعد مقررہ، عام زبان یا لغات و محاورات بعینہ مین اسی انداز سے کہتا ہے کہ نئی بات معلوم ہوتی ہے۔

(باقی) کیفی چریاکوٹی

جنوری سنہ ۳۰ء سے

دارالاشاعت نگار سے ایک نئے رسالہ کا اجرا

اس رسالہ کا نام جن ہوگا۔ جن کے لغوی معنی ہین ہر اُس چیز کے جو حواس ظاہری سے پوشیدہ ہو، اس سے اس رسالہ مین تمام اُن امور و واقعات سے بحث ہوگی جن کا تعلق "ماوراء عالم حواس" سے ہے اور جس مین جنات ارواح خبیثہ مابعدالطبیعیات، روحانیات، وغیرہ سب شامل ہین۔ اس مین نہ صرف جنات وغیرہ کے معتبر واقعات و حکایات ہونگے، بلکہ ان پر تنقید بھی ہوگی، عالم ارواح و روحانیت کے متعلق جدید ترین تحقیقات و معلومات بھی ہونگی، اور "حیات بعد الممات" کے متعلق اس وقت تک جو کچھ دریافت ہو چکا ہے اور ہوتا جارہا ہے وہ بھی درج ہوتا رہیگا۔

اس رسالہ کی تقطیع ۲۰×۲۶/۸ ہوگی اور ۲۵ سطر کے مسطر پر دو کالم مین باریک خط سے لکھا جائیگا۔ حجم فی الحال دو جزو ہوگا جسمین ۸ صفحات مستقلاً علمی تحقیقات کے لئے وقف ہونگے۔ اس رسالے مین ارواح خبیثہ اور جنات کے جتنے واقعات درج ہونگے ان سب کو مصور پیش کیا جائیگا جس کے لئے ایک آرٹسٹ کی خدمات مستقلاً حاصل کی گئی ہین۔ رسالہ کی سالانہ قیمت عہر تجویز کی گئی ہے اور ایک سال سے کم مدت کے لئے چندہ قبول نہ کیا جائیگا

جن حضرات کو اس دنیا سے دلچسپی ہو وہ براہ کرم اپنا پتہ بھیجدین تاکہ بعد اشاعت رسالہ کا نمونہ اُن کے پاس روانہ کیا جائے

اس کے ساتھ یہ استدعا بھی ہے کہ اگر کسی شخص پر اُس کی زندگی مین کوئی واقعہ ایسا گزرا ہے جسے وہ جنات یا بھوت پریت سے منسوب کرتا ہے تو براہ کرم اس کو قلمبند کر کے روانہ کر دے زبان و تحریر کی پرواہ نہ کیجئے یہان اس کو درست کر لیا جائے گا اور واقعہ کے مطابق تصاویر طیار کر لی جائین گی۔ لیکن اس کا خیال رہے کہ صرف اپنا تجربہ و مشاہدہ پیش کیا جائے، دوسرون سے نقل کی ہوئی روایت نہ ہو۔

پہلا پرچہ جنوری سنہ ۳۰ء کے نگار کے ساتھ ہی ساتھ شایع ہو جائیگا

مینیجر نگار۔ لکھنؤ

جھوٹ

"تم جھوٹی ہو، خدا کی قسم بالکل جھوٹی ہو!!"

"پھر اتنا کیون چیخ رہے ہو، کیا محلہ والون کو بھی اپنے قول کا گواہ بنانا چاہتے ہو!"

یہ بات بھی جھوٹ تھی، اس لئے کہ مین چیخ ہی نہین رہا تھا، بالکل آہستہ آہستہ باتین ہو رہی تھین، اُسکی کلائی میری گرفت مین تھی اور مین بالکل عاشقانہ لہجہ مین اُس سے مخاطب تھا۔ ہان یہ بات مینے بھی محسوس کی کہ "جھوٹ" کا لفظ بار بار سانپ کی پھنکار کی طرح میری زبان سے نکل رہا تھا

"آہ! مجھے تم سے کتنی محبت ہے؟!" اُسنے درد آمیز لہجہ مین کہا "تمھین اسکا بالکل یقین نہین آتا۔ آخر مین کس طرح باور کراؤن"

مگر جب مینے اُسے قریب کھینچ کر اپنی آغوش مین لینا چاہا تو وہ تیتری کی طرح اُڑ گئی۔ مین نے برآمدہ کے اندھیرے سے نکلکر اُس کمرے تک اُسکا تعاقب کیا جہان ابھی تک رقص و سرود کی محفل گرم تھی، مگر دروازے کے پاس پہونچکر مین ٹھٹک گیا۔ اُس نے پلٹ کر دیکھا اور ہاتھ کے اشارے سے مجھے اندر بلا لیا

کئی جوڑے مصروف رقص تھے، مجھسے نہ کوئی مخاطب ہوا، نہ مجھے رقص کی دعوت دیگئی، سب کی نگاہون مین شاید ایک مین ہی ایسا شخص تھا جو اجنبی خیال کیا جا رہا تھا اس لئے مینے بھی سب سے علیحدہ ایک گوشے مین سازندون کے قریب بیٹھنا مناسب سمجھا۔ باجے کی سماعت آزما نفیری کا مُنہ بالکل میرے سر کے قریب تھا۔ اُسکی آوازسے کانون کے پردے پھٹے جاتے تھے، مگر پھر بھی مین اس طرح خاموش بیٹھا رہا گویا موسیقی سے مجھے انتہائی رغبت ہے

ہر دس پانچ منٹ کے بعد ایک سفید، معطر، سایہ میرے پاس ہو کر گذرتا تھا ——— یہ وہی تھی ——— مجھے معلوم نہین کہ آیا وہ کس ترکیب سے دوسرون کی نگاہین بچا کر پروانہ وار آتی تھی اور مجھسے اظہار محبت کر جاتی تھی۔ البتہ اتنا احساس ہے کہ ایک لمحہ کے لئے، محض چشم زدن کیلئے اُسکے سڈول شانے میرے شانون سے مس ہوئے، ایک لمحہ ہی کیلئے میری نگاہین اُٹھین، اور مجھے ایک بلورین گردن، چمکدار لباس کا سا دھوکہ ہوا، پھر ایک بلورین چہرے کا خیال ہے ایسا بلورین چہرہ جس مین وفا و محبت بیک وقت موجود تھین اور جسے حور شمایل سمجھکر بھی خیال مطمئن نہ تھا ——— یقین کیجئے بالکل یہ معلوم ہوتا تھا کہ آسمان سے زہرہ رقص کرتے کرتے تھک کر آ گری ہے

مینے اُسکی آنکھین دیکھین، وہ ہرنی کی آنکھون کی طرح بیقرار، شوخ اور کسی روشنی کی متمنی تھین۔ خوبصورتی کا مفہوم یقیناً اُسکی دلکشی کی تشریح نہین کر سکتا

دراز پلکون کے سایہ مین اُسکی گہری گہری سیاہ اور سراپا محبت پتلیان تھین ———— جسوقت میری نگاہ ملی اُنکی گہرائی سمندرون کی طرح اتھاہ ہوگئی، جب مینے اُن پر غور کیا میرا قلب ساکن ہوگیا۔ اس مین مطلق مبالغہ نہین، ممکن ہے کہ یہ وقفہ لمحہ بھر یا اس سے بھی کچھ کم رہا ہو مگر وہ زندگی کا یہی لمحہ ہے جس مین مینے کائنات کی گردش کا تعلق حسین پتلیون کی لرزش سے محسوس کیا ہے صرف محسوس ہی نہین بلکہ اچھی طرح اپنی آنکھون سے دیکھا ہے!

ہراس و مجبوری کی ایک مسلسل کشمکش لئے ہوئے میری روح کشان کشان اُسکی نگاہون مین جذب ہو رہی تھی۔ یہانتک کہ مین اپنی ہستی سے بھی بیگانہ ہوگیا، ———— بےبس، بےیار و مددگار، قریب قریب مُردہ۔ زندہ تو یقیناً نہ تھا

دیکھتے دیکھتے وہ پھر فاختہ کی طرح اُڑ گئی، اس مرتبہ میری روح بھی اُسی کے ساتھ تھی

ہال مین ایک کشیدہ قامت، خوشرو نوجوان کے ساتھ وہ مصروفِ رقص تھی، خدا معلوم وہ کون تھا؟ مین اُسکی ایک ایک چیز کو گہری نظرون سے مطالعہ کر رہا تھا۔ اُسکے جوتون کی ساخت، شانون کی بناوٹ، بالون کے پچھے، خوفناک تبسم خوش رنگ رومال غرض ہر چیز میری نگاہون مین کھٹک رہی تھی۔ لیکن وہ ایک شانِ استغنا کے ساتھ، لاپرواہی سے ادھر اُدھر نگاہین ڈالکر مجھے پامال کئے جا رہا تھا۔ اُسکی حرکات و سکنات سے ظاہر تھا کہ اراداۃً یا دلچسپی سے اُسنے کسی چیز کو بھی نہین دیکھا

مجھے اُسکی یہ آسودہ نگاہی دیوار مین پیوست کئے دیتی تھی، مین تباہ ہو رہا تھا۔ یہانتک کہ جس دیوار کے سہارے سے بیٹھا تھا، رفتہ رفتہ مجھ مین اور اُس مین کوئی فرق نہ رہا

محفل مین روشنیان گُل ہونے لگین، ساز کی آوازین آخری گونج کے بعد خاموشی کے اتھاہ سمندر مین کھوگئین، مین چپکے سے اُٹھکر اُسکے پاس گیا اور آہستہ آہستہ کہنے لگا:۔

"چلو جلسہ ختم ہوگیا، مین تمھین گھر تک پہونچا دون"

مگر اُس نے بالکل معصومانہ انداز مین جواب دیا:۔

"اور میرا چچازاد بھائی کس کے ساتھ جائیگا؟"

یہ کہکر وہ مجھے خالی کمرے مین لیگئی اور مسلسل بوسون سے میرے لب بند کر دیئے۔ جب وہ رخصت ہونے لگی تو مینے چپکے سے کہا:۔

"تم جھوٹی ہو؟"

"پھر وہی" اُسنے مسکرا کر کہا "کل آؤنگی تم وہین ملنا"

یہ کہا اور اجنبی کے ساتھ چل دی

جسوقت مین گھر کی طرف روانہ ہوا، اچھا خاصہ صبح کا وقت ہوگیا تھا۔ بازار بند تھے اور سڑک پر صرف دو آدمیون کے علاوہ کسی کی صورت نظر نہ آتی تھی ———— ایک مین دوسرا میرا کوچبان

سردہوا سے بچنے کے لئے کوچبان کسی قدر پیچھے جھک گیا تھا اور اُسکے لمبے برساتی کوٹ کا دامن میری پیشانی پر لٹک رہا تھا۔ وہ علیحدہ کچھ

سوچتا جارہا تھا میں علیحدہ اپنے خیال مین منہمک تھا - اور بلند دیوارون کے پیچھے تمام شہر سکون و اطمینان کی میٹھی نیند لیتے ہوئے علیحدہ اپنے خواب و خیال مین مدہوش تھا - اسوقت میری آنکھون مین اسکی بھولی بھولی صورت تھی اور خیال مین اُسکا ـــــ جھوٹ، حیات و ممات کا فلسفہ بھی بعض اوقات اس خیال مین جگہ نکال لیتا اور نگاہون مین پھر اسقدر غلبہ پالیتا کہ مکانون کی بلند اور کشیدہ قامت دیوارین جو صبح کی دھندلی روشنی مین بتدریج نمایان ہورہی تھین - موت کی مختلف ڈرونی صورتین معلوم ہونے لگتین جس طرح لاش ٹھنڈی ہوکر اینٹھ جاتی ہے اسی طرح وہ بھی صرف ایک حالت مین ساکت و صامت ہوکر رہ گئین تھین

مجھے کو جہان کے خیالات کا اندازہ نہین ہوسکا اور نہ یہ معلوم ہوسکا کہ بھاری دیوارون کے پیچھے سونے والے کیا خواب دیکھ رہے تھے مگر پھر انھین کو میرے خواب و خیالات کا کیا اندازہ تھا

اس حالت مین میری گاڑی خالی سڑک پر برابر راستہ طے کرتی جارہی تھی - سورج کی ابتدائی شفقی شعاعین، مکانون کی چھتون اور (ستون) درختون کی بلند چوٹیون کو رفتہ رفتہ نمایان کررہی تھین - اور ماحول کی ہر شے مین ایک ایسی زندگی پیدا ہورہی تھی جو احساس و حرکات سے مطلقاً بے نیاز ہو کوئی معطر سفید چیز سایہ کی طرح میرے برابر سے گذر گئی جسوقت وہ میرے برابر سے گذری، کسی کے بے محابہ مردانہ قہقہہ کی آواز میرے کانون مین آئی: ـــــ ہا - ہا - ہا ہا - ہا - ہا

(۲)

اُسنے مجھسے جھوٹا وعدہ کیا تھا، مینے صبح سے شام تک انتظار کیا مگر اُسے نہ آنا تھا نہ آئی

ایک دھندلی، کہرنما تاریکی - رفتہ رفتہ فضا پر غالب آگئی - مین نہین بتا سکتا کہ دن کی روشنی شام کی سنہری شفق مین اور شفق رات کے تاریک دھندلکے مین کب اور کس طرح تبدیل ہوگئی - میرے لئے تو انتظار کی تمام گھڑیان ایک طویل رات سے مشابہ تھین ایسی طویل رات جسمین تارے کی روشنی کا بھی نشان نہو

مین نے تمام دن متانہ جہل قدمی مین گذار دیا، مین نہ اُس مکان کے قریب گیا جہان وہ رہا کرتی تھی - نہ اُس خوشنما دروازے سے گذرا جو زرد بارجہ کے سایہ مین میری نگاہون کو خوش آمدید کہا کرتا تھا - دن بھر اپنے گھر کے سامنے والی سڑک پر جہان سے اُسکا دروازہ اور بارجہ دونون نظر آتے تھے ایک معینہ رفتار اور یکسان قدمون سے ٹہلتا رہا - اس طرح کہ جب آگے بڑھتا دروازہ پر بلا کسی خاص ارادے کے نگاہین جمی رہتین اور جب واپس ہوتا تو اکثر راستہ مین ٹھہر کر مُڑ مُڑ کر دروازے کو دیکھ لیتا ـــــ یہانتک کہ برف گرنے لگی، اور اُسکی تیز خنکی جابجا نشترون کی طرح میرے چہرے پر چبھنے لگی

نشتر! ـــــ ہان ایسے خطرناک، ایسے تیز، ایسے سرد ایسے جان خراش نشتر جو رفتہ رفتہ میرے دل مین پیوست ہوگئے - اور اُسے چھید چھید کر اتنا مجروح کردیا کہ سوائے افسردگی، انتقام اور غم و غصہ کے اُسمین کچھ نہ رہا

انتظار کی گھڑیان قیامت بنکر گذر رہی تھین، مگر اُسکا کہین پتہ نہ تھا - مین برابر سرکاری لالٹین کی روشنی مین کچھ ڈھونڈھ رہا تھا کچھ عرصہ کے بعد ایسا محسوس ہونے لگا گویا میرے جسم مین بھی کوئی شے چراغ کی لو کی طرح جل رہی ہے ـــــ!

جس راستہ پر مین ٹہل رہا تھا اُسپر آمد رفت بہت کم تھی بعض اوقات میرے سامنے دور سڑک پر کوئی انسانی صورت نظر آتی اور جون جون قریب ہوتی جاتی اسکا قد بڑھتا ہوا معلوم ہوتا۔ یہانتک کہ وہ خاموشی سے ایک تاریک سایہ کی طرح میرے برابر سے گزر کر بتدریج گھٹنا شروع ہوتی اور سفید عمارت کی دیوارون کے نیچے پہونچ کر رفتہ رفتہ نگاہون سے غائب ہوجاتی

پھر جب مین واپس ہوتا، تو انھیں دیوارون کے پاس سے کوئی شخص برآمد ہوتا، میرے قریب سے گذرتا اور اُسی طرح گھٹتے گھٹتے کہر آلود فضا مین نگاہون سے غائب ہوجاتا

لبے لبے لبادون مین لپٹے ہوئے یہ غیر متشکل مجسمے ایک دوسرے سے اسقدر مشابہ تھے اور سڑک پر جابجا ٹہلتے ہوئے اس طرح نظر آتے تھے گویا کسی مخصوص گروہ کے صدہا آدمیون نے راستہ پر پہرہ لگا لیا ہے

مین اب بھی اُسکا انتظار کر رہا تھا مگر بے سود۔ انتہائے غم وافسوس سے میری آنکھون مین آنسو ڈبڈبانے لگے اور بے تحاشہ رونے کو جی چاہنے لگا۔ اُنگلیان ازخود کسی درندے کے پنجون کی طرح اینٹھنے لگین اور یہ محسوس ہونے لگا گویا وہ کسی زہریلے سانپ کو جسکی پھنکار سے جھوٹ کے شعلے نکل رہے ہون اپنی گرفت سے کچل دینا چاہتی ہین

اُدھر یہ خیالی سانپ میرے ہاتھون پر لپٹ رہا تھا اور رسّے کی طرح اُنھین جکڑ کر بار بار دل پر ڈنک مار رہا تھا۔ تاآنکہ اُسکے زہریلے اثر سے میرا سر ڈھلکنے لگا ——— دُنیا کی ہر چیز جھوٹ تھی

میرے عدم و وجود کی حد فاصل جوش خیال مین ناپید ہوگئی، بعض اوقات یہ محسوس ہونے لگتا گویا مجھے کبھی زندگی سے کوئی واسطہ ہی نہین رہا، اور بعض مرتبہ یہ خیال ہوتا کہ زندگی دراصل نام ہی اُس کیفیت کا ہے جو مجھے حاصل ہے

اُسوقت یہ معلوم کرنا کہ درحقیقت مین معدوم تھا یا موجود میری قوت فیصلہ کے لئے ناممکن تھا ——— البتہ یہ یقین کے ساتھ کہہ سکتا تھا کہ "وہ" میرے عدم و وجود کی دونون حالتون مین ہمیشہ اور ہمہ وقت شریک رہی ہے۔ اُسے مجھپر حکومت کرنے کے لئے اور مجھے اُس کا محکوم بننے کے لئے من وتو کی بحث چھیڑی گئی ہے

اکثر مجھے اس خیال پر تعجب ہونے لگتا کہ اُسکا بھی مجھسے علیحدہ کوئی نام مجھ سے جُدا کوئی جسم ہے۔ اُسکی ہستی بھی کسی مخصوص ابتدا یا انتہا کی رہین منت ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اُسکا کوئی نام نہ تھا، وہ ہرگز مجھسے علیحدہ کوئی خاص شخصیت نہ تھی۔ میرے خیال مین تو وہ میری ہی شخصیت کا ایک ایسا فریب تھی جسے صرف جھوٹ بولنے تڑپانے اور کشمکش انتظار مین ڈالکر کبھی نہ آنے کے لئے قدرت نے تخلیق کیا تھا

مجھے معلوم نہین کیون اور کس بنا پر مجھے ہنسی آئی ——— مینے ایک طویل قہقہہ لگایا، کھٹکنے والے نشتر دل مین اور پیوست ہوگئے۔ کچھ دیر بعد کانون مین یا تو میرے ہی قہقہہ کی بازگشت، یا کسی دوسرے کے خیالی قہقہہ کی آواز آئی ——— ہا-ہا- ہا ہا!

مینے آنکھ اُٹھا کر سفید عبارت کی اُن کھڑکیون کو بغور دیکھا جنکے رنگین شیشون سے روشنی چھن چھن کر باہر آرہی تھی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ بھی اپنی سرخ سبز زبان مین مجھ ہی سے مخاطب تھین - اور صاف کہہ رہی تھین: ——— "بیوقوف! وہ تجھے دھوکا دے رہی ہے"

مچھلی کی طرح کھلا رہی ہے، تو گھنٹوں سے اُسکے انتظار میں ٹہل رہا ہے، برف اور طوفانی ہوا کی مصیبتیں جھیل رہا ہے مگر وہ، خوبصورت، حسین جفا جو عربدہ جو، سفید ناگن اپنے عاشق کے ساتھ مصروفِ عیش و نشاط ہے۔ ایسے میں اگر تو بہادرانہ جذبۂ انتقام کے ساتھ یکایک اندر داخل ہو جائے اور اُس بے مروت ہستی کو جسے غلطی سے تو نے راحتِ روح سمجھ لیا ہے، قتل کر دے تو دُنیا جھوٹ سے پاک ہو جائے۔

مینے سختی سے اُس مُٹھی کو بند کر لیا جس میں چاقو تھا اور قہقہہ لگا کر زیرِ لب کہا۔

"ہاں، ٹھیک ہے۔ میں اُسے ضرور مارونگا، جھوٹ کا دُنیا سے خاتمہ کر دینا ہی بہتر ہے"

لیکن کھڑکیوں نے مجھے غمگین نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا:۔

"تو اُسے کیا مار سکتا ہے؟ تیرے ہاتھ میں جو چاقو ہے وہ خود ایک فریب ہے اُسکے بوسوں سے زیادہ بے معنی فریب"

سڑک پر آمد رفت بند ہو چکی تھی اور برف کے طوفان میں صرف ایک میں ہی ایسا شخص تھا جسے خانہ بدوش کہا جا سکتا تھا ورنہ ہر جاندار کو کہیں نہ کہیں پناہ مل گئی تھی

میں اور شاہراہ کی لالٹین کا بیکس شعلہ ——— بظاہر کائنات میں یہ دو چیزیں سردی کھانے اور غم و آلام اُٹھانے کیلئے بنائی گئی تھیں

قریب کے گرجا میں گھنٹہ بجا۔ اور اُسکی تیز، سماعت شکن آواز، ماحول کے اثر سے مضمحل ہو کر کانپتی ہوئی برف کی طوفانی فضا میں کھو گئی ——— ٹھیک اس طرح جس طرح کوئی بیمار آخری ہچکیاں لیکر دم توڑ دیتا ہے

مینے گھنٹے گننا شروع کئے، اور گن کر ایک قہقہہ لگایا ——— پندرہ بجے تھے!

گرجا اور اُسکا گھنٹہ دونوں پُرانے تھے، ہرچند کہ گھڑی ٹھیک وقت دیتی تھی لیکن گھنٹہ ہمیشہ بے تکا بجتا تھا، بعض اوقات تو اتنا بے تکا کہ پادری صاحب کو مینار پر چڑھ کر اپنے ہاتھ سے اُسے روکنا پڑتا تھا۔

مگر اسوقت گرجا کے گھنٹہ کی آواز کسی کے لئے جھوٹ بول رہی تھی ——— یقیناً میرا مذاق اُڑا رہی تھی۔

گھنٹہ کی آخری آواز کے ساتھ سامنے والے سفید مکان کا دروازہ کھلا اور ایک کشیدہ قامت آدمی زینہ سے اُترتا معلوم ہوا۔ میں صرف پُشت دیکھ سکا مگر فوراً پہچان گیا، اس لئے کہ مینے یہی مغرور، سراپا لعنت صورت گذشتہ شام کو دیکھی تھی۔ اُسکی مطمئن چال سے قلبی مسرت جھلک رہی تھی، وہ کل شام کی بہ نسبت یقیناً اسوقت زیادہ مسرور تھا ——— میں بھی اسی دروازہ سے اکثر اسی قسم کی مستانہ روی کے ساتھ نکلا کرتا تھا ——— اُسکے ایک ایک قدم سے اس بات کی تصدیق ہوتی تھی کہ کسی نوجوان عورت کے جھوٹے بوسوں کے نشہ آور خیال میں مدہوش ہے

(۳)

مینے اُسے دھمکایا، ڈرایا، پھر خوشامد کی ہاتھ جوڑے اور کہا:——— "خدا کیلئے مجھسے دورنگی نہ برت، مجھے فریب نہ دو، جتنی بات ہو سچ سچ بتا دو!"

مگر وہ ایک بے لوث اور معصومانہ انداز سے اپنی بھوین چڑھاتے ہوئے مسکرائی اور حسین پتلیوں کی اتھاہ گہرائی سے وفا و محبت کا یقین دلاتے ہوئے مجھسے کہنے لگی :-

"بھلا تمسے اور جھوٹ!"

وہ جانتی تھی کہ میرے پاس اُسکے جھوٹ کا کوئی باقاعدہ ثبوت نہین ہے اور میرے تمام شبہات ساری روح فرسا بدگمانیون کیلئے اسکا صرف ایک لفظ، ایک جھوٹا فقرہ کافی ہے

مین اُسی فقرہ کا منتظر تھا۔ وہ اُسکی زبان سے بظاہر وفا و محبت کے رنگ مین رنگا ہوا لیکن درحقیقت اپنے مفہوم مین جھوٹ ادا ہوا:-

"آہ! مجھے تمسے کتنی محبت ہے؟! کیا مین تمھاری۔۔۔۔ نہین ہون۔ مگر تمھین یقین ہی نہین آتا۔ خدا جانے کیا ہو گیا؟"

ہم قصبہ کی آبادی کے آخری کنارے پر رہتے تھے، اور برف سے ڈھکی ہوئی سفید سفید چوٹیان کھڑکیون سے دکھائی دیا کرتی تھین، مگر اسوقت اندھیرے مین چھپی ہوئی تھین، ماحول کی ہر چیز پر رات نے ایک سیاہ غلاف ڈال دیا تھا، مگر جھیل چمک رہی تھی ——— بالکل اس طرح جس طرح گہری تاریکی مین کسی مردے کی کفنائی لاش

کمرے مین صرف ایک دھیمی لیمپ کی روشنی پڑ رہی تھی، مگر اُسمین بھی مردہ جھیل کا عکس نمایان تھا

"بتادو، خدا کیلئے مجھے سچ سچ بتادو، اسکی پرواہ مت کرو کہ مجھے صدمہ ہوگا۔ زیادہ سے زیادہ مین اُسے سنکر مر ہی جاؤنگا۔ کوئی ہرج نہین جھوٹی اور فریب کار زندگی سے سچی موت بہتر! مجھے صرف ایک مرتبہ تم اپنے دل کی بات بتادو، پھر مین ہمیشہ کیلئے تمھارا چھوڑ دونگا"

مین جذبات کے طوفان مین اُس سے مخاطب تھا، لیکن وہ خاموش تھی، اور اُسکی بھولی بھالی مغموم نگاہین نشتر کی طرح میرے دلمین اُتری جارہی تھین، میری روح تڑپ رہی تھی اور مین درد و کرب کی مجسم تصویر بنا ہوا اُسکے سامنے کھڑا تھا۔۔۔۔۔ بالآخر مینے پھر کہا:-

"بتادو! ——— دیکھو خدا کا واسطہ! ورنہ۔۔۔۔۔ مین۔۔۔۔ تمھین قتل کردو۔۔۔۔ گا"

"کردو" اُسنے اطمینان سے جواب دیا "بعض اوقات زندگی واقعی بار ہوجاتی ہے، اور آدمی عاجز آکر موت کے بہانے ہی ڈھونڈا کرتا ہے۔۔۔۔۔ تمھارے ہاتھ سے، زہے نصیب! ——— مگر۔۔۔۔۔۔ اُس نے ذرا رُک کر کہا

"جس خیالی حقیقت کی تمھین تلاش ہے، جو سچ تم معلوم کرنا چاہتے ہو وہ بھی تمھین معلوم ہوجائیگا، یا میری موت بھی تمھین مطمئن نہ کرسکے گی؟" ——— مین بلا ارادہ اُسکے قدمون مین گر پڑا، اور انتہائے عاجزی سے گڑگڑا کر کہنے لگا:-

"خدا کیلئے! "۔۔۔۔۔۔!" اپنی جوانی کا صدقہ، مجھپر رحم کرو اور اپنے دلکی بات بتادو، صاف صاف کہدو کہ مجھے تمسے محبت نہین ہے"

اُس نے ازراہِ محبت میرے سر پر ہاتھ رکھ دیا اور کہنے لگی

"اللہ رحم کرے! آج تمھیں ہو کیا رہا ہے؟"

"رحم!" مینے ہاتھ جوڑ کر کہا "اب تو بتا دو!"

میری نگاہین اُسکی شفاف پیشانی پر پڑین اور معاً خیال آیا کہ صرف اس نازک سے پردے مین اصل حقیقت چھپی ہوئی ہے، کسی دیوانہ خواہش کے ماتحت دل نے کہا ———— "اسے توڑ کر حقیقت معلوم کر لینا کتنا آسان ہے؟"

پھر خیال سینہ کی طرف منتقل ہو گیا، اُسکے نظر فریب اُبھار کے پیچھے، صاف دل دھڑکتا ہوا معلوم ہو رہا تھا، وہی جھوٹا، فریبی مکّار اور دغاباز دل جسنے مجھے دیوانہ بنا دیا تھا مینے چاہا کہ اپنے تیز ناخنون سے اُسکے ٹکڑے ٹکڑے کر دون تاکہ اُس میں چھپی ہوئی حقیقت، وہ چیز جسے مین دل کی بات سمجھتا تھا جون کی تون معلوم ہو جائے ———— مگر نہین"

لیمپ کا بالائی شعلہ رفتہ رفتہ بے نور ہو رہا تھا، اُسمین بھی کوئی حرکت نہ تھی، حقیقت کو وہ بھی چھپا رہا تھا۔

دیوارین بتدریج بڑھنے والی دھندلی دھندلی تاریکی مین مٹی جا رہی تھین مگر مجھ سے اُنھین بھی کوئی ہمدردی نہ تھی، ہر چیز پر ایک قسم کی ویرانی، خوف، دہشت اور سوگ برس رہا تھا۔

"اللہ رحم کر! میرے اچھے"......."کی حالت پر رحم کر" اُسنے زیر لب کہا۔ لیمپ کے زرد شعلہ مین ایک قسم کی تھرتھری پیدا ہوئی، لمحہ بھر کیلئے نیلی سی چمک نمودار ہوئی ———— اور گل ہو گیا۔

گہری تاریکی نے ہمین چھپا لیا

اب مجھے نہ اُسکا چہرہ نظر آ رہا تھا، نہ آنکھین، صرف ایک ہاتھ میرے سر پر رکھا ہوا تھا اور اُس سے محبت کی ایسی قوی لہر جسم مین سرایت کر رہی تھی کہ مین مدہوش تھا اور جھوٹ کا خیال خواب کی طرح دماغ سے محو ہو رہا تھا۔ مینے آنکھین بند کر لین اور اور خیال کو غور و فکر، احساس و عمل سے آزاد کر کے صرف اُس روح افزا لمس کی طرف منتقل کر دیا!

وہ سچی تھی! .... مین دیکھ رہا تھا کہ اسکی محبت حقیقی اور بے داغ ہے ——!!

اندھیرے مین ہلکی ہوئی سی آواز مین کسی نے آہستہ آہستہ کہا:۔

"ذرا اور پاس آ جاؤ .... مجھے ڈر لگ رہا ہے!"

پھر خاموشی .... وہی بے معنی خاموشی، اور پھر .... وہی ہلکی ہلکی زیر لب گفتگو!

"تم کونسی سچی بات پوچھتے ہو؟ ...... مجھے خود معلوم نہین میرے دلمین سوائے تمھارے خیال کے اور کونسی سچی بات ہے؟ ———— آہ! خدا کرے مین پہلے سے جانتی کہ تم اتنے سخت دل نکلو گے .... بس یہین رہو ———— دیکھو تو کتنی ڈراونی رات ہے؟!"

یہ کہکر اُسنے میرے سینہ مین اپنی آنکھین چھپا لین۔

مینے نگاہ اُٹھائی تو تاریکی کھڑکیون سے دور ہوکر آہستہ آہستہ دیوار کے گوشون مین مجتمع ہو رہی تھی - اور رنگین شیشون کے پیچھے کوئی نہایت ہی طویل خوفناک سفید سفید چیز کفنائے ہوئے مُردے کا سا جسم اختیار کر رہی تھی ــــ!

یہ معلوم ہوتا تھا کہ کسی کی بے نور، پتلیان ہمین تک رہی ہین

خوف کیوجہ سے بیساختہ ہمارے جسم مین تھرتھری دوڑ گئی ہم اور زیادہ ایک دوسرے سے چمٹ گئے - اُسکے بہکے بہکے الفاظ نغمہ کی طرح میرے دل و دماغ مین گونج رہے تھے:-

"دیکھو تو، کتنی ڈراونی رات ہے ؟!"

(۴)

مینے اُسے قتل کر دیا!

جب وہ کھڑکی کے قریب، ایک بے حس اور بے جان مجسمہ کی صورت مین پڑی تھی مینے اُسکی لاش پر اپنا پاؤن رکھ دیا اور خوب ہنسا ــــ یہ دیوانگی کی ہنسی نہ تھی ــــ جی نہین! مین صرف اسلئے ہنس رہا تھا کہ اب میرا دل قرار پر تھا، اُسے پورا اطمینان و سکون حاصل ہو چکا تھا اور سینہ کی وہ مستقل خلش جسنے مجھے کرب مجسم بنا دیا تھا، اب کافور تھی -

مینے ذرا جھک کر اُسکی بے نور آنکھون کو دیکھا:-

اُف وہ دلکش، روشنی کی تمنی، نیم وا آنکھین ــ! وہ نرگسی سرشار پُر اسرار آنکھین ــــ!

یہ معلوم ہوتا تھا کہ کسی موم کی گڑیا سے مستعار لیلی گئین ہین

مین اُنھین اُنگلیون سے چھو سکتا تھا، حسب مرضی کھول سکتا تھا، بند کر سکتا تھا، مطلق خوف محسوس نہ ہوتا تھا اسلئے کہ اُنکی اتھاہ گہرائیون مین اب مکر و فریب، اشتباہ و بدگمانی کا وہ جن موجود نہ تھا جو ایک زمانہ سے میرے سر پر سوار تھا اور جو مدتون سے میرا خون چوس کر پرورش پا رہا تھا

مین جسوقت گرفتار ہوا اُسوقت بھی ہنسا اور یہ بات اُن لوگون کیلئے جنھون نے مجھے گرفتار کرایا تھا قطعًا ناقابلِ برداشت ثابت ہوئی - وہ مجھے درندہ کہہ رہے تھے اور نفرت و حقارت کے ساتھ میری طرف سے منہ پھیر پھیر کر گالیان دے رہے تھے، شاید کوس بھی رہے ہون

دوسرے لوگ جو ذرا اجنبی تھے میری بدقسمتی سے متاثر ہو کر از راہ ہمدردی میری طرف بڑھے تھے اور میرے استقلال و اطمینان پر حیرت سے انگشت بدندان تھے

"کوئی دیوانہ ہے" ان الفاظ مین وہ اپنے دلکو تسلی دے رہے تھے - اور فی الواقع صرف یہی الفاظ اس بے معنی صورت حال کی تشریح ہو بھی سکتے تھے - سب متحیر تھے کہ اسقدر وفا کیش عاشق ہو کر مینے کیون اپنے معصوم و بیگناہ معشوق کو قتل کر دیا، پھر یہی نہین اُسے قتل کرنیکے بعد تجب ایسی کونسی مسرت ہے کہ کسی طرح ہنسی نہین رُکتی - صرف ایک خوش مزاج، آزاد منش شخص نے مجھے دوسرے الفاظ مین مخاطب کیا اور وہی الفاظ میری مسرت کو پامال کر گئے، مین مبہوت ہو کر رہ گیا

وہ آہستہ آہستہ ہمدردانہ لہجہ مین کہہ رہا تھا:۔

"آہ! اس غریب کی حالت کسقدر قابلِ رحم ہے!"

"بس خبردار ایسے الفاظ زبان سے نہ نکالنا" مینے اُسے ڈانٹ کر کہا نہین کہہ سکتا کہ کن جذبات سے متاثر ہو کر مینے ایک جست کی اور اُس شخص کے سامنے جاکھڑا ہوا

مین یقیناً نہ اُسے مارنا چاہتا تھا، نہ سزا دینا چاہتا تھا مگر پھر بھی تمام مجمع جو مجھے دیوانہ اور مجرم سمجھ رہا تھا خوف و دہشت سے کانپ اُٹھا اور چیخین مار کر اس طرح پیچھے ہٹنے لگا کہ مجھے پھر ہنسی آگئی اور مین نے خوب قہقہے لگائے

اسکے بعد جب لوگ مجھے اُس کمرے سے باہر لے گئے جس مین لاش پڑی تھی مینے بآواز بلند سب سے مخاطب ہو کر کہا:۔

"دنیا میں مجھ سے زیادہ کوئی مسرور نہین ہو سکتا، میں بیحد مطمئن ہون" اور یہ واقعہ تھا

(۵)

بچپن مین مینے عجائب گھر مین ایک چیتا دیکھا تھا۔ اُسے دیکھکر مین اتنا متاثر ہوا تھا کہ مدتون خیال مین اُسکی صورت قائم رہی

وہ اُن درندون کے مانند نہین تھا جو تماشائیون کو بے معنی اور مبہم نگاہون سے تکا کرتے ہین۔ وہ ہمیشہ اُقلیدس کے اُصولون کے ماتحت ایک کونے سے دوسرے کونے تک خطِ مستقیم بناتا ہوا ٹہلا کرتا اور ہر مرتبہ ٹھیک اُسی نقطہ پر مڑا کرتا جہان سے چلتا تھا۔ صرف اُسی آہنی سلاخ سے جسم رگڑتا جو پانچوان قدم اُٹھانے کے بعد اُسکے شانے کے پاس ہوتی

سر ایک فلسفیانہ انداز سے جھکا ہوتا اور آنکھین ٹھیک خطِ مستقیم پر سامنے دیکھا کرتین۔ ایک مرتبہ بھی ایسا اتفاق نہین ہوا کہ اُسنے کسی برابر کی چیز کو دیکھا ہو

دن بھر تماشائیون کا ہجوم اُسکے پنجرے کے سامنے لگا رہتا مگر اُسے اسکی پرواہ بھی نہ ہوتی تھی، وہ بدستور اپنی مقررہ رفتار سے پنجرے مین چہل قدمی کرتا رہتا اور تماشائیون کی طرف نگاہ اُٹھا کر بھی نہ دیکھتا

آنے جانے والون مین سے اکثر اُسکی حالت پر اظہارِ افسوس کرتے اور اکثر مسکرا کر چلے جاتے، لیکن جسوقت وہ تمام جانورون کو دیکھ کر عجائب گھر سے نکلتے تو بالعموم مڑکر چیتے کے پنجرے کو ایک دو مرتبہ ضرور دیکھ لیتے۔ خدا معلوم یہ کونسی کشش تھی، بہت ممکن ہے اُنمین اور اس مقید درندے مین کوئی جنسی مناسبت یا صفت مشترک موجود ہو

اسکے بعد جب مین بڑا ہوا تو کتابون مین انسان کو "حیوانِ ناطق" لکھا دیکھا مینے جسقدر اس مین تحقیق کی چیتے کی مثال میرے سامنے آتی رہی۔ انسان واقعی حیوان ہے جسے حیوانیت کا جزُ چیتے کے ساتھ تقسیم کیا گیا ہے۔ مگر جنگلی چیتون کے ساتھ نہین بلکہ اُن چیتون کے ساتھ جنھین "مقید رہنے اور کُڑھنے" کیلئے تخلیق کیا گیا ہے

مین بھی اسوقت جیل کی تنگ و تاریک کوٹھری مین بالکل اُسی چیتے کی طرح مقید تھا، مین بھی اُسی طرح کوٹھری کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک ایک خطِ مستقیم پر ٹہلا کرتا اس دوران مین خیالات کے ہجوم سے دماغ اتنا بھاری ہو جاتا کہ

تمام دنیا کے مصائب کا بار مجھے اپنے سر پر معلوم ہونے لگتا

یہ تمام خیالات، ایک نقطہ، صرف ایک خوفناک لفظ پر قائم تھے اور وہ لفظ "جھوٹ" تھا۔

جیل کی ہر کوٹھری سے، کوٹھری کی ہر دیوار سے، دیوار کی ہر اینٹ سے "جھوٹ" کی آواز میرے کانون مین سانپ کی پھنکار کی طرح آرہی تھی اور میری روح پر ایک تاریک بادل کی طرح چھائی جارہی تھی اب وہ معمولی سانپ کی پھنکار نہین معلوم ہوتی تھی، بلکہ کسی بڑے بھاری خونخوار اژدہے کی پھنکار تھی جو ہر طرف سے میری روح کو اپنی آہنی گرفت مین کس رہا تھا۔ اور جب مین درد کی شدت سے، ایک ایسا احساس لئے ہوئے گویا میرے تمام جسم پر سانپ رینگ رہے ہین، چیخ اُٹھتا تو زبان سے صرف "جھوٹ" پھنکار بنکر نکلتا، جس سے مجھے خود پر بھی یہ شبہ ہونے لگتا کہ کہین مین سانپ تو نہین ہوگیا ہون

مین ان ہی خیالات مین منہمک صبح سے شام تک ٹہلا کرتا، یہانتک کہ سُرخ پتھرون کا فرش میری نگاہ مین ایک دھندلی اور بے رنگ سی تاریک خندق معلوم ہونے لگتا، پیرون سے فرش کے لمس کا احساس جاتا رہتا اور اکثر یہ محسوس ہونے لگتا گویا مین کسی کہر آلود فضا مین نہانہایت بلندی سے گرایا جارہا ہوں۔

پھر میرا دل خوف سے اُچھلنے لگتا، اور اُس سے کراہنے کے لہجہ مین وہی پھنکار نکلتی جو اوپر سے، نیچے سے، آسمان سے، زمین سے، درختون سے، اینٹوں سے، غرض کائنات کی ہر چیز سے بازگشت ہوتی ——— اس طرح گویا وہ کسی دوسری دُنیا سے ہزارہا منزلیں طے کرکے کہر اور برف مین لڑکھڑاتی ہوئی مجھ تک پہونچ رہی ہے۔

مجھے یقین تھا کہ اسی مدہم پھنکار کے پردے مین ایک ایسا تیز طوفانی جھونکا ہے جو درختون کو جڑ سے اُکھاڑ کر پھینک سکتا ہے لیکن مجھ تک پہونچنے مین وہ صرف اس زیر لب کہے ہوئے آہستہ لفظ کی صورت اختیار کرلیتا ہے

"جھوٹ"

اس ذلیل لفظ نے مجھے برافروختہ کردیا، اور مین نے زور سے فرش پر اپنا پاؤن مارتے ہوئے کہا ———

"کوئی جھوٹ نہین ہے!.......... مینے جھوٹ کا خاتمہ کردیا ہے!"

یہ کہکر مین قصداً دوسری طرف مخاطب ہوگیا مگر بیکار، جس جواب سے ڈرتا تھا وہی جواب خاموشی کے ساتھ فرش کی خوفناک خندق سے برآمد ہوا:۔

"جھوٹ!"

آہ!.... اب مجھے احساس ہوتا ہے مینے بڑی سخت غلطی کی کہ جھوٹی عورت کو قتل کردیا لیکن اُسکے جھوٹ کو بنا دیا!

پس عوام کو میری یہ نصیحت ہے کہ ہرگز کسی جھوٹ یا فریب کار عورت کو قتل نہ کیا جائے تا وقتیکہ استدعا و التجا سے جبر و تشدد سے جس طرح بن پڑے اُسکی دلی کیفیت نہ معلوم کرلیجائے۔

کوٹھری مین مسلسل ۲۷ گھنٹہ چہل قدمی کرنے کے بعد مین اس نتیجہ پر پہونچا ہون

(۶)

وہ جگہ جہان اُسنے بچی بات کے ساتھ اپنا جھوٹ بھی چھپالیا ہے نہایت اندھیری، اور خوفناک ہے ——— مگر مینے ارادہ کرلیا ہے کہ وہان بھی اُسکا پیچھا نہ چھوڑون، خدا کے سامنے اُسے پیش کرونگا اور اُسکے قدمون پر گر کر رو ؤنگا، وہان تو کوئی بات نہین چھپ سکتی۔

خدا میرا انصاف کریگا!

لیکن خدا!؟ اوہو........ خُدا ——— یہ بھی جھوٹ، محض فریب، وہان بھی صرف یہی بے پایان تاریکی ہے اور صدہا صدیون، ہزارہا قرنون کا ایک لامحدود خدا! لیکن "وہ" وہان بھی نہین ہے ——— کہین بھی نہین ہے!

صرف جھوٹ اُسکی یادگار رہ گیا ہے، بالکل غیرفانی یادگار!!

فضا کے ذرات مین، دُنیا کی گردش مین، عقبیٰ کی تاریکی مین، وقت کی رفتار مین ہر جگہ جھوٹ ہی جھوٹ ہے فریب ہی فریب بھرا ہوا ہے۔ اور جب مین سانس لیتا ہون وہ ہوا کے ساتھ میرے پھیپھڑے مین داخل ہو کر سانپ کی طرح پھنکارتا ہے اور دلکوڈس کر سارے جسم مین زہر ہی زہر پھیلائے دیتا ہے ——— نہایت ہی قاتل زہر!

آہ! حقیقت کی تلاش بھی انسان کی کتنی زبردست دیوانگی ہے؟ انسان کیون مجبور ہے!؟

کوئی نہین بتاتا ———!!

"سب فریب........ خدا کیلئے ——— مین مرا ——— لوگو مجھے بچاؤ!!"

طالب باغپتی

بنگالی ناولون کے ترجمے

بنگالی دلھن۔ ایک نئی دلھن کے پُرحسرت دارمان شوہر سے جدائی کی تکالیف نیک نیتی سے استقلال اور وفاداری کی تصویرین اسکی سلاست زبان دانی عبارت وغیرہ قابل دید وداد ہے۔ قیمت ——— ۱۰ر

پرتاب ایک تاریخی ناول غدر ۱۸۵۷ء کا سنسنی خیز واقعہ نہایت پیچدار طریقہ سے لکھا گیا ہے جس مین دردعشق کوٹ کوٹ کر بھرا ہے طرز بیان دنیا سے نرالا ہے عشق حقیقی و مجازی کے ایسے دلکش و روشن پہلو دکھائے ہین کہ دیکھکر دل پر ایک گہرا اثر پڑتا ہے قیمت ——— ۱۰ر

مرنالنی۔ عورتون کی وفاداری پر بحث۔ عبرت و نصیحت کا خزانہ قیمت ——— ۸ر

"مینیجر نگار"

تصوف اسلام پر ایک مورخانہ نظر

(سلسلۂ سابق)

حصول علم کے دو طریقے وحی اور الہام کے امتیازی پہلو

امام غزالی فرماتے ہین، حصول علم کے دو طریقے ہین، ایک وہ جو مطالعہ اور غور و فکر سے حاصل ہوتا ہے، اور یہ علما کا طریقہ ہے، دوسرا وہ ہے، جو اچانک قلب مین داخل ہوتا ہے، مخلوق کو خبر بھی نہین ہوتی کہ یہ علم اسے کیونکر حاصل ہوا، کہان سے آیا، اور اسے کیون موقوف ہوا، یہ صرف عالم ملکوت کا تصور ہوتا ہے، جسے وہ اپنے قلب مین پاتا ہے، جب اس قسم کا علم اولیا اللہ کو عطا کیا جاتا ہے، تو اسے "الہام" کہتے ہین، الہام کے لفظی معنی ہین "جذب کرنا" میکڈونلڈ کہتا ہے یہ لفظ صرف ایک جگہ قرآن مین استعمال ہوا ہے، فالھمہا فجورھا وتقوٰیھا (والشمس) لیکن نہین کہا جا سکتا ہے کہ اسکا استعمال قدیمی معنی مین ہوا ہے، یا دینی اصطلاحی معنی مین، وحی اس علم اعلی کو کہتے ہین جو انبیا کو عطا ہوتا ہے، وحی کے لفظی معنی "ترسیل" اور "ترقیم پیام" کے ہین الہام اور وحی مین فرق یہ ہے، کہ جو فرشتہ پیام علم لیکر آتا ہے، ملہم کی نظرون کے سامنے ظاہر نہین ہوتا، اسکے برخلاف وحی جب انبیا پر آتی ہے تو وہ فرشتہ کو دیکھتے ہین

قلب و نفس کے اسرار

میکڈونلڈ نے "رہبر و طریق کی تربیت" کے عنوان سے ایک مفصل باب ہی لکھا ہے، اس مین ایک جگہ لکھتا ہے "اب مین امام غزالی کی تعلیم قلب کو پیش کرنا چاہتا ہون، مینے قلب کا ترجمہ انگریزی مین "دل" (Heart) کیا ہے، حالانکہ قلب و دل کے معانی مین خاص فرق ہے، انگریزی لفظ Heart کہنے سے مع جذبات، تاثرات، خواہشات اور وجدان کے خیالات سامنے آجاتے ہین، اسمین بنیادی حیثیت سے عموماً جذبی خصوصیت پائی جاتی ہے، ذہنی یا عقلی خصوصیت کا اسمین کم حصہ ہوتا ہے، لیکن عربی لفظ قلب کے یہ معنی نہین، یہ زیادہ تر دماغ کا مستقر ہے، ایک مسلم شارح اسے "لطیفہ ربانیہ" سے نامزد کرتا ہے، - - - - جو ایک غیر مادی عنصر ہے اور عالم غائب سے متعلق ہے، امام غزالی ماہیت قلب کی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہین کہ اب قلب کے متعلق مزید مباحث نہین پیش کئے جا سکتے قلب کے متعلق مزید سوالات علمی سائنس کے بجائے تخیلی سائنس سے علاقہ رکھتے ہین، حیات علمی کا مقصد صفات قلب کا جان لینا ہے، اسکی ذاتی اور طبعی ماہیت کی شرح، غیر متعلق بحث ہے، اسمین بھی روح کا سا سوال پایا جاتا ہے، جس پر آن حضرتؐ نے سکوت کیا ہے، تاہم شارح لکھتا ہے، کہ قلب ایک "روح عقلیہ" ہے روح اسکا داخلی حصہ ہے، اور روح حیوانیہ اسکا مرکب ہے، صرفی حیثیت سے "نفس" کے معنی سانس کے ہین، اور عبرانی مین لفظ "نفش" اسکا مرادف ہے، جسکا ترجمہ بائبل مین روح اور بعض اوقات

سانس، زندگی اور خواہش (appetite) کیا گیا ہے، میکڈونلڈ کے نظریہ "نفس" کے متعلق میڈیم بلاوٹسکی کی بھی یہی تحقیق ہے، جو اسکی قابل قدر کتاب (Isis Unveiled) "خدائے مکشوف" مین پائی جاتی ہے، اسکے بعد میکڈونلڈ نے امام غزالی کے وہ مباحث پیش کئے ہین، جو انہون نے قرآن کے مختلف مقامات مین لفظ نفس کے مختلف استعمال کے متعلق لکھا ہے قرآن مجید مین اسکے تین خصوصیات بتائے گئے ہین، مطمئنہ، لوامہ اور امارہ (فجر، قیامہ، یوسف)

"صوفی" کی وجہ تسمیہ اور تاریخ تصوف پر مشرقی و مغربی علما کے نظریات

قبل اسکے کہ شریعت اسلامیہ کے صوفیانہ عناصر پر روشنی ڈالی جائے، یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تصوف کے متعلق اس عالمانہ اور محققانہ بحث کی تلخیص کرلیجائے جو لفظ "صوفی" کے ماتحت انسائیکلوپیڈیا[51] آف رلیجن اینڈ اتھکس مین پائی جاتی ہے، ہرچند تاریخ تصوف کے متعلق گزشتہ اوراق مین ایک حد تک بحث ہوچکی ہے، لیکن انسائیکلوپیڈیا کے مفصلہ ذیل مقالہ مین بعض اہم معلومات پائے جاتے ہیں

بعضون کا خیال ہے، کہ یہ صف سے مشتق ہے، جسکا مفہوم یہ ہے کہ صوفیہ تعلقات الٰہیہ مین شریک اول صف ہین، بعضون نے اسے "اہل صفہ"[52] سے منسوب کیا ہے، القشیری اور دوسرے صوفیہ ان تمام تعبیرات مین کسی کو تسلیم نہین کرتے، ابو نصر السراج نے تسلیم کیا ہے کہ یہ لفظ صوف سے مشتق ہے (بحوالہ کتاب اللمع مرتبہ نکلسن) جاسف وان ہیمر کی تحقیق ہے کہ صوفیہ ہندوستان کے (gymnosophists)[53] سے متعلق ہین اور یہ کہ "صوفی" اور "صفا" دو نو یونانی الفاظ (σοφός اور σοφης) کی طرح ایک ہی مادہ سے ہین تھالک نے اسکی تردید کی ہے لیکن عہد جدید کے ایک عالم اڈبیرٹ مرکس نے وان ہیمر کے نظریہ کی تائید کی ہے، نالڈک نے جو اسٹرسبرگ یونیورسٹی...... مین عربی کا پروفیسر تھا، ۱۸۹۴ء مین مسئلہ کو حل کردیا، اسنے دکھایا کہ لفظ σοφός ارمی Aramaic

---

[51] انسائیکلوپیڈیا مین جو طویل مقالہ ہے، وہ مشرق اور مغرب کے مشاہیر کی علمی تصنیفات سے مستفاد ہے، چنانچہ مقالہ نگار نے ماخذ کا تذکرہ کرتے ہوئے، عبد القادر جیلانی، حلاج، ابن طفیل، رومی، ابن عربی، الشعرانی اور سہروردی کے اسمائے گرامی لکھے ہین، مقالہ نگار نے جرمنی، انگلستان، فرانس کے مشہور مستشرقین کی تصنیفات سے بھی استفادہ کیا ہے، اس سلسلہ مین اسنے پروفیسر گولڈزہر، ڈی ایس مارگولیتھ، ایچ فرنیک، آر ہارٹمین وغیرہ کی کتابونکا بھی گہرا مطالعہ کیا،

[52] اہل صفہ عہد نبوت کی وہ جماعت صحابہ تھی جو غربت اور افلاس کے باعث مسجد نبوی کے نزدیک ایک چبوترہ پر اقامت گزین رہتی، امور دنیوی سے انہین کوئی تعلق نہ تھا وہ ہمیشہ تلاوت قرآن، اور عبادت مین مشغول رہتے

[53] "انسائیکلوپیڈیا آف رلیجن اینڈ اتھکس" مین لفظ تھیاسفی کے ماتحت مقالہ نگار نے عالمانہ اور محققانہ بحث کرتے ہوئے ہندوستانی تصوف کے چار ماخذ قرار دیتے ہین، اپنشد، ویدانت، سانکھیہ (فلسفہ) یوگا، (فلسفہ) اور اسکے بعد جین اور بدھ مذہب کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کس طرح تھیاسفی (ہندی) مذہب کی شکل مین رونما ہوئی،

مین بھی نہین پایا جاتا، اسلئے عربی زبان مین پایا جانا قرین قیاس نہین، دوسری بات یہ ہے کہ اری اور عربی دونو زبان مین (Φ،TooΦos اور ooΦ،aTM'S) پائے جاتے ہین، عربی مین یونانی حرف "σ" کی جگہ پر حرف سین استعمال ہوتا ہے، اگر وان ہیمر کا نظریہ صحیح ہوتا تو لفظ صوفی مین پہلا حرف "صاد" کی بجائے "سین" ہوتا، نالڈک نے یہ بھی دکھایا کہ لباس الصوف ادب کی ابتدائی کتابون مین پایا جاتا ہے، جسکے متعلق یہ بھی ہے، کہ اسے وہ شخص پہنتا تھا، جو تارک الدنیا ہوتا، فارسی زبان مین تارک الدنیا درویشونکے متعلق "پشمینہ پوش" کا لقب پایا جاتا ہے، یہ مسیحی راہبون سے لیا گیا، جب حماد بن سلمی (۱۶۷ھ) بصرہ مین آئے تو انھون نے فرقد السنجی سے جو پشمینہ (صوف) کا لباس پہنے ہوئے تھا کہا کہ یہ لباس اتار دو، چونکہ اسے نصاری پہنتے ہین، قشیری کا بیان ہے، کہ اسکا رواج ۲۰۰ھ (۸۱۵ء) مین ہوا السراج کا خیال ہے، کہ اہل بغداد نے اسے ایجاد کیا، ہرچند "صوفی" کی وجہ تسمیہ کے متعلق کوئی قطعی فیصلہ موجود نہین، لیکن یہ بھی محض فضول گوئی ہے، کہ یہ اصطلاح آن حضرت کے زمانہ سے متعلق ہے، یا بعثت اسلام سے قبل پائی جاتی تھی لیکن اسکا رواج دوسری صدی ہجری کے اخیر مین ہوا، جبکہ زاہدانہ زندگی سے صوفیانہ زندگی کی طرف رجحان ہو رہا تھا، تیسری اور چوتھی صدی کے صوفیہ خود کو آن حضرت صلعم کے سچے متبعین مین شمار کرتے تھے، سب سے پہلا مصنف جس نے عربی زبان مین لفظ "صوفی" استعمال کیا جاحظ بصری (۸۶۹ء) ہے

اسلام مین تصوف کی ابتدا، ہملوگونکے سامنے اس عہد کی یاد تازہ کر دیتی ہے، جبکہ زہد کی تحریک شروع ہوئی، جو عموماً ساتوین صدی مین مسیحی اثرات کے ماتحت تھی، اس تحریک مین بہتیرے زاہدون کا نام پایا جاتا ہے، یہ تحریک مذہبی (اسلامی) پہلو رکھتی تھی اس مین مذہبی عنصر کا گہرا رنگ غالب ہے، جسکی بنا مفصلہ ذیل افکار و عقاید پر تھی، ضعف النسانی، بے انتہا خوف خدا، اور اسکے ارادہ کی تسلیم کامل اس زمانہ مین صوفیہ کا کوئی منظم شیرازہ نہ تھا، اہل بصرہ نے تصوف کے تعلیمی عقاید کی بنیاد ڈالی، اہل شام نے اسکے ظاہری رنگ و روپ مین حصہ لیا حسن بصریؒ فرماتے تھے کہ تصوف عاجزی کا نام ہے، نہ کہ لباس وغذا کا دوسری صدی کے صوفیہ پر مذہبی رنگ کا غلبہ تھا، اور وہ مذہبی قانون کے پابند تھے، انہین لوگون نے غربت و افلاس فروتنی و انکساری اور ترک تلذذات کا رواج دیا، اگر وہ خدا کی محبت رکھتے تھے تو اس سے زیادہ انہین اسکا خوف تھا، وہ زہد یا تھیا سفی کے درمیانی مقام مین تھے، ان پر صحیح معنی مین رضا (Quietism) کی اصطلاح منطبق ہوتی ہے، اس ضمن مین مفصلہ ذیل اشخاص کا تذکرہ خاص اہمیت رکھتا ہے

"ابراہیم ابن ادہم جو بلخ کے شہزادہ تھے، جنکے واقعات زندگی گوتم بدھ سے ملتے ہوئے ہین شفیق بلخی، جنہون نے عقیدہ توکل کو ترقی دی، رابعہؓ جو بصرہ مین پیدا ہوئین اور بیت المقدس مین وفات کی، معروف الکرخی بغدادی، وہ شخص ہین جنکی پہلی تاریخی تعریف تصوف یہ ہے، کہ تغیرات قبول کرنا، اور جو خدا کے مخلوقات کے ہاتھ مین ہے، اسے ترک کر دینا"

تیسری صدی ہجری مین تصوف قطعی طور پر ایک عہد جدید سے روشناس ہوتا ہے، ہرچند رضا (Quietism) اور زہد (Asceticism) کے عقاید اب بھی محکم طور سے متداول تھے، لیکن انکے مقابلہ مین تخئیل اور وحدت فی الکثرت کی ذکر و احسان

زیادہ زور پکڑ رہی تھی، لیکن موخر الذکر عقاید کو جو تصوف کی روح روان ہین اس فتح کے باعث زہد و رضا کے ابتدائی صوفیانہ عقاید کو تفوق زمانی دنیا یا انھین کو تصوف کا سبب آفرنیش بتانا تاریخی غلطی ہے، لیکن اسکا پتہ لگانے مین کہ صوفیہ نے رضا سے وحدت فی الکثرت کا عقیدہ کیون اختیار کیا، ہملوگ نہین کہہ سکتے کہ صوفیہ نے غیر اسلامی عقاید سے جلب منفعت نہین کیا مسیحیت فلاطونیت جدید اور بدھ مذہب کی اثر آفرینی، ناقابل انکار حقیقت ہے، ہر چند اس مسئلہ پر موضحانہ بحث کرنیکا موقعہ نہین لیکن اس نظریہ کو ثابت کرنے کیلئے کافی مواد موجود ہے، تیسری صدی کا تصوف تاریخ کے تمام صوفیانہ مسالک کی طرح مختلف اثرات کی پیداوار تھا، مثلاً، مسلمانون کے مسئلۂ توحید کی تخئیلی ترقی، مسیحی زہد و تصوف، عارفیہ، یونانی اور ہندی فلسفہ، بعضون نے غلطی کی ہے، کہ انھون نے تصوف کو صرف ایک مسلک ویدانت یا فلسفہ اشراقی کا نتیجہ تصور کیا، انکا خیال ہے کہ تصوف، ایک سامی مذہب کے مقابلہ مین جو زبردستی منوایا گیا تھا آریہ قوم کے ذہنی ردعمل کا نتیجہ ہے

موجودہ دور کے علمانے کسی ایک مسلک کو ماخذ تصوف قرار دینے کے بجائے، مختلف اثرات کا مطالعہ کیا اور تشریح کی کہ کس مسلک نے کونسا عقیدہ تصوف مین داخل کیا، یہ اس ماحول کے اثرات ہین جسمین تصوف نے نشو ونما پائی، اور اسمین وہ تمام سیاسی تمدنی، اور ذہنی حالات شامل ہین جو ارتقائے تصوف کی مدد ہوئین، مثلاً عہد امویہ کی تباہ کن خانہ جنگیان، ابتداے عہد عباسیہ کی ملحدانہ اور عقلی امواج، علما کی فرقہ دارانہ، اور فقیہانہ شورش پسندیان، تیسری صدی مین ارتقاء تصوف کے مفصلہ ذیل اسباب تھے۔

قدیم صوفیہ اپنی زندگی کا ہر قول، ہر فعل، اور ہر خیال مرضی الٰہیہ کے مطابق بنانے کی کوشش کرتے تھے اس اصول نے فطرتاً محبت الٰہی (جو رضا کی سب سے بڑی صورت ہے) اور "حال" (جو بالقصد یا بلا قصد زاہدانہ ریاضت کا نتیجہ ہے) کے عقاید پیدا کئے، ہر چند قدیم صوفیہ متشرع تھے، اسلام سے انکا تعلق ایسا ہی تھا جس طرح دور وسطی مین ہسپانوی صوفیہ کا تعلق رومن کیتھلک چرچ سے، جلد یا بدیر عشق و حال کے ایک مذہب کا مذہب اسلام کے مخالف ہونا ناگزیر تھا، حضرت رابعہ بصریہؒ نے ظاہر کیا کہ مجھے نہ تو جہنم کا خوف باقی ہے نہ بہشت کی طلب و امید میرے دل مین محبت نبویﷺ بھی نہین چونکہ مین خدا کی محبت مین اسقدر جذب ہون کہ کسی دوسری ذات سے محبت یا نفرت کیلیے میرے دل مین جگہ ہی نہین[1]، بتدریج خالق و مخلوق کے حجابات دور کر دئے گئے، توحید کی تعریف وحدت فی الکثرت قرار پائی، خدا کی ذات یکتا و بے مثل جو انسانی رسائی سے بالاتر تھی، "الحق" کی صورت مین مبدل ہوگئی جسکی شان تجلی ہر مخلوق مین موجود ہے، یہانتک کہ صوفیہ کی وہ ہستی جو عالم حال مین "خودی" کے فنا اور شعور انفرادی کے اضمحلال کا نتیجہ ہے، ذات حق کا پرتو قرار پاگئی اس تعلیم کو جسقدر بھی دوسرے معانی اور مجازی رنگ مین کیون نہ پیش کیا جائے

---

[1] اسی طرح کا ایک واقعہ تاریخ فرشتہ مین حضرت ابوالحسن خرقانیؒ کے متعلق بھی پایا جاتا ہے، محمود غزنوی نے آپ کو لکھ بھیجا تھا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم (قرآن) اور اپنے حضور مین طلب کیا تھا، حضرت ابوالحسن خرقانیؒ نے جواب دیا کہ۔ اطیعوا اللہ مین ایسا مستغرق ہون، اکو اطیعوا الرسول سے شرم آتی ہے، (یعنی حق اطاعت رسول ادا نہ کر سکنے کے باعث شرمندہ ہون) اولی الامر مین کیون کر مشغول ہو سکتا ہون

لیکن یہ تصوف کی روح رواں ہے، اور خصوصیت کیساتھ غیر اسلامی مبادی سے حاصل کی گئی ہے، مرکس نے یقیناً زیادتی کی کہ اسنے اسے بالکل یونانی کہدیا، اور تخصیص بھی کردی کہ یہ تعلیم دیا ینسیوس کی تحریرون سے لیگئی ہے، ہر چند ممکن ہے، کہ یہ تعلیم دیانیسوس کی تحریرون اور ارسطو کی الہیات سے بھی اثر پذیر ہوئی ہو

ذوالنون مصری فرماتے تھے کہ سچا مرید وہ ہے، جو خدا سے بھی بڑھکر اپنے شیخ کی اطاعت کرے، (تذکرۃ الاولیا) امام غزالی وحدت فی الکثرت کا عقیدہ نہین رکھتے تھے، وہ کہتے تھے کہ خدا کی ذات جداگانہ ہے، وہ یکتا ہے بے نظیر ہے، صوفیہ نے قطب، نقبا اوتاد، ابرار ابدال کا عقیدہ اسمعیلیہ فرقے سے لیا ہے

صوفیانہ شاعری صوفیہ نے مذہبی جذبہ پیدا کرنیکا جو ظاہری عمل وضع کیا، اسمین سب سے زیادہ قوی اور اثر آفرین سماع ہے یعنی موسیقی اور غنا کی سماعت، بہت سی روایتین ایسی پائی جاتی ہین کہ کسی لڑکی نے یا صوفیہ ہی مین سے کسی نے ایک نظم کے چند اشعار پڑھ دئے، اور صوفیہ بیخود ہوگئے، انھین وجد آگیا، ایسے اشعار ظاہری معنی پر مبنی ہوتے تھے، صوفیانہ نشاط کا نتیجہ نہ تھے، شاعر خود اشعار کو تاویلات پر مبنی نہین رکھتا تھا بلکہ صوفیہ اپنے ذوق مین اشعار کی صوفیانہ تاویلین کرتے تھے، "صوفیانہ شاعری" کا یہ حال نہین یہان شاعر اپنے کلام مین خود صوفیانہ رنگ پیدا کر دیتا ہے، ہر چند ظاہری معنی کے اعتبار سے اشعار سرمایۂ تشبیب ہی کیون نہون؟ اور اکثر ایسا ہوتا ہے، کہ مجاز و حقیقت مین امتیاز کرنا مشکل ہو جاتا ہے، اور جب تک ہملوگ شاعر کے رجحان اور ارادہ سے واقف نہون، یہ بتانا دقت طلب امر ہے کہ عشق و محبت کے جو جذبات اسنے ادا کئے ہین وہ کسی انسانی محبت کا نتیجہ ہین، یا حب الٰہی کا اگر یہ سوال کیا جائے کہ شعرا نے ایسا انداز کلام کیون اختیار کیا تو کہا جا سکتا ہے کہ انھون نے ولولہ اور وجد پیدا کرنیکی اس سے بہتر صورت نہین دیکھی کہ باطنی محبت کے انوار اطراف کو ظاہری محبت کے رنگ مین ادا کیا جائے

اس قسم کی صوفیانہ شاعری فارسی ادب کی شان مخصوص ہے، یہ رنگ سخن ابو سعید بن ابی الخیر کی رباعیات فریدالدین عطار، جلال الدین رومی، جامی کی شاعری اور گلشن راز محمود شبستانی مین پایا جاتا ہے، مغربی علما کیلیے عربی شاعری کا ایسا مذاق دلکش نہین، لیکن ابن الفرید کا کلام بہت عمدہ ہے، اور ابن عربی کے کلام مین ہر چند گہرے معانی پنہان ہوتے ہین لیکن بعض نظمین نفاست ادا کے اعتبار سے بہت اچھی ہین، ترکی شعرا مین صوفیانہ رنگ سخن کے اعتبار سے نسیمی بہت اچھا شاعر ہے، ہر چند صوفیانہ شاعری مین نفاست بیان اور طرز اعلی پایا جاتا ہے لیکن اسے علمی صنعت کی پیداوار نہین کہہ سکتے، جلال الدین رومی، ابن الفرید اور ابن عربی کی بہترین غزلین عالم بیخودی مین کہی ہوئی ہین، جنھین ہملوگ (Automatic writing) "تحریر غیر اختیاری" سے تعبیر کر سکتے ہین، ابن عربی کی شرح ترجمان الاشواق سے پتہ چلتا ہے کہ خود شاعر اپنے بعض کلام کے معنی نہین بتا سکتا،

لہ موجودہ علم روحانیات (Spiritualism) کی استقرار و ترقی مین یہ ایک نہایت حیرت انگیز مشاہدہ ہے۔

شریعت اسلامیہ کے صوفیانہ عناصر اور طریقت کی افراط و تفریط

ابھی تک جو کچھ لکھا گیا ہے، وہ تصوف کے خارجی و داخلی مباحث سے متعلق تھا۔ اب یہاں دو بحثیں پیدا ہوتی ہین، ایک یہ کہ آیا قرآن مجید مین مبادی تصوف کے متعلق مواد پائے جاتے ہین یا نہین؟ سرور کائنات اور صحابہ کی زندگی مین صوفیانہ ذوق کا پتہ ملتا ہے یا نہین؟ علمائے مغرب کی تحقیقات سے پتہ چلتا ہے، کہ لفظ صوفی اسلام کی پیداوار نہین، انسائیکلوپیڈیا مین "صوفی" کی وجہ تسمیہ کے متعلق ایک رائے یہ بھی پائی جاتی ہے، کہ یہ "صفہ" سے لیا گیا ہے، یہ ایک قرین قیاس امر تھا کیونکہ ترک دنیا، غربت، رضائے آلہی، عبادت، تعلقات ازدواجی سے انقطاع، یہ تمام باتین عہد نبوت کے اصحاب صفہ مین پائی جاتی ہین، لیکن ساتھ ہی یہ بات بھی نظرانداز نہین کیجا سکتی، کہ ابتدائے اسلام کی پریشان حالی کے باعث صحابہ کی ایسی جماعت تھی، وہ اسلامی قانون سمجھکر یا باوجود وسعت ایسی زندگی نہین گزارتے تھے علاوہ برین علامہ قشیری وغیرہ صوفی کی نسبت صفہ کو تسلیم نہین کرتے، الغرض صوفیانہ ادبیات کا مطالعہ کرنیکے بعد قول راجح یہی معلوم ہوتا ہے، کہ یہ دوسری صدی کی پیداوار ہے، عہد نبوت و صحابہ مین اسکا وجود نہ تھا، اور پرلطف یہ ہے کہ مسیحی راہبونکی دیکھا دیکھی اسلام مین اس بدعت نے رواج پایا، جیسا کہ میکڈونلڈ، نکلسن اور ابن خلدون وغیرہ نے لکھا ہے، خود قرآن مجید مین نہ کہین صوف کا لفظ آیا ہے، نہ صوفی کا البتہ امام بخاریؒ نے القارعہ کی تفسیر مین حضرت عبد اللہ ابن مسعود کی یہ قرأۃ بھی نقل کی ہے کہ وہ کالعھن المنفوش کو کالصوف المنفوش پڑھا کرتے تھے، مگر صحیفہ مین یہ لفظ نہین، صف اور صفا کا لفظ قرآن مجید مین پایا جاتا ہے، لیکن علمانے انکی طرف صوفی کی نسبت ہی نہین دی، لہذا ایک منشرع لفظ "صوفی" ہی پر اعتراض رکھتا ہے، اور ایک غیر جانبدار محقق کے سامنے تو اسے اسلام کی طرف منسوب کرنا ایک تاویل بیجا سے زیادہ نہین۔

اب مین اپنے عنوان بحث کو دو حیثیت سے واضح کرنا چاہتا ہون، قرآن کی تعلیم، اور آن حضرت و صحابہؓ کے واقعات زندگی، موخر الذکر بحث کیلئے مینے صرف احادیث کو ماخذ قرار دیا ہے، ورنہ تاریخی اور کلامیہ مباحث سے جو اوپر گزر چکے یہ بات ثابت ہو چکی ہے، کہ صوفیانہ تخیلات محض اسلام ہی سے نہین لئے گئے، ہرچند میکڈونلڈ کی کتاب "رلجس ایٹیچیوڈ اینڈ لائف ان اسلام" مین صحابہ کرام کے زاہدانہ رجحان، (Asceticism) اور انسائیکلوپیڈیا آف رلجن مین قرن اولی مین مسلمانون کے مسلک رضا (Mysticism) کے متعلق فلسفیانہ مباحث پائے جاتے ہین

نکلسن نے تو "صوفیائے اسلام" مین یہ بھی لکھا ہے، کہ اگر پیروان اسلام دنیا کے اور مسالک بدھ، مسیحی اشراقی وغیرہ سے الگ بھی رہتے، تو بھی اسلام کے اندر قرآنی تعلیم کی بنا پر تصوف کی کوئی نہ کوئی صورت ضرور رونما ہوتی، لہذا جب ایک محقق قرآن مجید پر اس نقطہ نظر سے غور کرتا ہے، تو وہ مفصلہ ذیل آیات کی اہمیت نظرانداز نہین کرسکتا

(۱) زندگی کی بے ثباتی، موت کا ناگزیر ہونا، دنیا مین انہماک سے پرہیز،

کل نفس ذائقة الموت و انما توفون اجورکم یوم القیامه فمن زحزح عن النار وادخل الجنة

فقد فاز ط وما الحیوٰۃ الدنیا الا متاع الغرور (آل عمران)

ہر نفس کیلیے موت ناگزیر ہے، اور تمھین قیامت کے دن تمھاری مزدوری ملیگی، اور وہ جو آتش دوزخ سے کنارے رہیگا اور جنت مین داخل ہوگا، خوش ہوگا، اور دنیا کی زندگی ایک دھوکا کی ٹٹی ہے

وانفقوا مما رزقنکم من قبل ان یاتی احدکم الموت فیقول رب لولا اخرتنی الی اجل قریب فاصدق واکن من الصالحین ۰ ولن یؤخر اللہ نفسا اذا جاء اجلها (منافقون)

اور جو کچھ مینے تمھین روزی دی ہے، اس مین سے خرچ کرو، اسکے قبل کہ تم مین سے کسی ایک کو موت آئے اور کہے خدا، اگر مجھے ایک مختصر میعاد (زندگی) عطا کرے تو مین صدقہ دون، اور مین نکوکارون مین سے ہوجاؤن، اور جسوقت جس نفس کی قضا آگئی اسمین تاخیر نہوگی

ان اجل اللہ اذا جاء لا یوخر (نوح)

جب خدا کی میعاد مقررہ آتی ہے، تو اسمین فرق نہین ہوتا

وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ کتابا مؤجلا ومن یرد ثواب الدنیا نؤته منها ومن یرد ثواب الاخرۃ نؤته منها وسنجزی الشاکرین (آل عمران)

کوئی نفس خدا کی اجازت کے بغیر نہین مرسکتا، جسکی تعین ہو چکی ہے اور جو اجر دنیوی کا خواہشمند ہے، اسے وہی ملیگا، اور اور جو اجر آخرت کا طالب ہے، اسے ثواب اخروی نصیب ہوگا اور قریب ہے کہ ہم شکر کرنے والونکو بدلہ دین،

یا ایها الذین امنوا لا تلهکم اموالکم ولا اولادکم عن ذکر اللہ (منافقون)

اے ایمان والو ایسا نہو کہ تمھاری دولت، اور تمھاری اولاد تمھین ذکر الٰہی سے اپنی طرف پھنسالیں

یا ایها الذین امنوا ان من ازواجکم واولادکم عدوا لکم فاحذروهم وان تعفوا وتصفحوا وتغفروا فان اللہ غفور الرحیم۔ انما اموالکم واولادکم فتنة ط واللہ عنده اجر عظیم (تغابن)

اے ایمان والو! تمھاری بیویان اور تمھاری اولاد تمھارے دشمن ہین، ان سے واقف رہو اور اگر تم ان سے درگزر کرو اور انکے قصور معاف کردو، پس اسے بخشش کرنے والا رحم کرنے والا ہے، تمھاری دولت اور تمھاری اولاد فتنہ ہین، اور اللہ کے پاس اجر عظیم ہے

زین للذین کفروا الحیوٰۃ الدنیا (بقرہ)

کافرون کو حیات دنیوی کی زینت ملی

زین للناس حب الشهوات من النساء والبنین والقناطیر المقنطرۃ من الذهب والفضة والخیل المسومة والانعام والحرث ط ذلک متاع الحیوٰۃ الدنیا واللہ عنده حسن الماب ۰ قل اؤنبئکم

بخیر من ذلکم (آل عمران)

(۲) ذکر وتسبیح کے متعلق قرآن مجید مین کثرت سے آیات پائی جاتی ہین، مثلاً

والذاکرون اللہ قیاماً وقعوداً وعلی جنوبہم (آل عمران)

اور کھڑے بیٹھے، اور پہلو پر اللہ کا ذکر کرتے ہین

فاذکرونی اذکرکم (بقرہ)

پس تم میرا ذکر کرو مین تمھین یاد کرونگا

قرآن نے ذکر وتسبیح کی تعلیم دی ہے، لیکن اصطلاحات صوفیہ مین ذکر وتسبیح کے یہ معنی نہین، جو قرآن سے ثابت ہوتا ہے، اور جس پر خود سرور کائنات اور صحابہؓ کا عمل رہا، صوفیانہ "ذکر" کے متعلق خلوت، خاص تعداد وغیرہ ضروری ہین، جس کی ایک مثال اس سے قبل لین کی کتاب سے لکھی جا چکی ہے، ایسی جفاکشی نہ قرآن کی تعلیم تھی، نہ صحابہ کا دستور العمل، غالباً اسی غلو عبادت سے قرآن مین سرور کائنات کو منع کیا گیا ہے،

قم اللیل الا قلیلاً نصفہ او انقص منہ قلیلا - "مراقبہ ذات" ہندوستان کی چیز ہے، جو "دھیانہ" کے نام سے ہندی فلسفہ مین پائی جاتی ہے، دانہ تسبیح کا استعمال بدھ مذہب کے راہبون سے لیا گیا ہے، اسلام کو ان سے تعلق نہین خصوصاً مراقبہ ذات تو ایک قسم کی بت پرستی ہے، اور اگر صوفیائے کرام نے اسے جائز رکھا ہے تو پھر "پرستاران صنم" سے گلہ کیسا؟ اور "ردکفر" کے کیا معنی؟ بدھ مذہب کے بعض صوفیانہ پہلوؤن کے متعلق میڈیم بلیوٹسکی نے اپنی کتاب "تعلیم باطنی Secret Doctrine) مین روشنی ڈالی ہے، وہ لکھتی ہین

> "بودھی" ایک قسم کی وجد انگیزانہ کیفیت کا نام ہے، جس مین صوفی علم روحانیہ کے بلند نشیمن پر پہونچ جاتا ہے (غالباً صوفیانہ "معرفت" کا تخیل بھی ہندی فلسفہ کا منت کش ہے) گوتم بدھ کی تعلیم کے دو پہلو تھے، ظاہری اور باطنی بدھ، باطنی تعلیم اپنے مسترشدین کو ایک غار مین بمقام راجگیر دیا کرتا، جو گلدھ کا قدیم پایہ تخت تھا، اور بعض علمائے آثار کا بیان ہے کہ فاہین (چینی سیاح) اسی کو "چپیا غار" لکھا ہے بدھ اس خاک اوڑھا تھا، جو آریہ قوم کا مسکن تھی، وہ وہ ایک ہندو اور قومیت کے اعتبار سے چھتری تھا، اسلئے اسکی باطنی تعلیم یقیناً قدیم برہمنون سے مختلف نہ تھی، اسکا مذہب ایسے ممالک چین، جاپان، سیام برما وغیرہ مین پہونچا جو ہندوستان کی مابعد الطبعی تخیلات قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھے، اسلئے بدھ کی تعلیم کے متعلق ان ممالک مین غلط فہمیان پائی جاتی ہین،

اسی طرح اتحاد، وصل وغیرہ کی جو صوفیانہ تعبیرات ہین وہ بھی بڑی حد تک دنیا کے دوسرے مسالک سے اسلام مین داخل ہوئی ہین، میڈیم بلیوٹسکی جو عہد جدید مین صوفیانہ معلومات، بالخصوص ہندوستانی فلسفہ وتصوف کی ایک مستند محققہ مانی جاتی ہین اپنی دوسری کتاب "خدائے مکشوف" (Isis Unveiled) مین لکھتی ہین

"مذاہب عالم، مسیحی، یہودی، بت پرست اور بدھ مذہب کے پیروؤن مین ایک مستقل جنگ علم حقیقت کے فقدان کا نتیجہ ہے، حقیقت کا علم کم افراد کو ہے، بقیہ حضرات خواہش ہی نہین کرتے کہ قلب سے حجاب دور کرین، ہر ظاہری مذہب کا کردگار ایک بت ہے، ایک افسانہ ہے، اسکے سوا دوسری چیز ہو ہی نہین سکتا، کپیلہ برہمن یوگیون کو صرف اس بنا پر نشانہ طعن وتشنیع بناتا ہے کہ وہ اپنے "شہود صوفیانہ" مین واحد اعلی کی دیدار کے مدعی تھے اسی اظہار خیال نے گوتم بدھ کو آیندہ نسلون سے ایک دہریہ کا خطاب دلادیا، فیثاغورث اپنے تصوف تاویلی اور مسئلہ تناسخ کی بدولت ایک چالباز کاذب متصور ہوا دوسرے فلاسفرا پالونیوس، اور فلاطینوس کا بھی یہی حال ہوا، جنھین لوگون نے "محو یان خواب"، کے نام سے یاد کیا، افلاطون پر اسکے مترجمین نے بھی بیوقوفی کا الزام لگایا، اور یہانتک کہہ ڈالا کہ وہ اپنی زبان سے بھی ناواقف تھا، یہ کیون؟ اسلئے کہ اسنے "توی العزیز" کے متعلق یہ کہا کہ اسکا علم دوسرے علوم کی طرف الفاظ کے ذریعہ حاصل نہین ہوسکتا، مین ایک جلد ان حضرات کے نام سے بھر سکتی ہون، جنکی تحریرون کو لوگون نے اس "حجاب" کو دور نہ کرنیکے عدم استعداد مین صوفیانہ احماقت سے تعبیر کیا۔"

تعلیم تصوف جہانتک حب الٰہی، اخلاق حسنہ، اعمال صالحہ، تزکیہ نفس، اور تصفیہ قلب سے متعلق ہے قرآن مجید سے کی گئی ہے، بقیہ اصول وقواعد رہبانیت، اعتزال، فنا وغیرہ اسلام کی چیزین نہین، اور نہ قرآن مین انکی تعلیم ہے،

صحابہ کرامؓ مین ایسے لوگ تھے، جو تیسری صدی کے صوفیہ کی طرح تارک الدنیا اور فانی ہونیکی تمنا رکھتے تھے، چنانچہ بخاری کی کتاب النکاح مین کثرت سے ایسے واقعات ملتے ہین، حضرت ابوہریرہؓ تعلق ازدواجی کو ہمیشہ کیلئے خیر باد کہنے کیلئے خصی ہونا چاہتے تھے، حضرت عبداللہ ابن عمرو بن العاص تمام دن روزے رکھتے اور ساری رات عبادت کرتے بیوی سے بھی کنارہ کش تھے جبکی شکایت دربار رسالت تک پہونچی، حضرت ابوذر غفاریؓ شام سے اس بنا پر بگڑ کر چلے آئے کہ انکے عقیدہ مین مال رکھنا جائز نہین تھا، اور امیر معاویہ اس عقیدہ کے مخالف تھے، حضرت ابوذر غفاریؓ قرآن کی آیت سے استدلال کرتے تھے، مدینہ مین بھی آتے تو آبادی سے جدا رہے، بخاری کی کتاب النکاح مین پہلی طویل حدیث ہے جسمین مذکور ہے، کہ چند اشخاص آپس مین آن حضرتؐ کی عبادت وغیرہ کا تذکرہ کر رہے تھے ایک نے کہا مین مدت العمر روزے رکھونگا، دوسرے نے کہا نماز مین پڑھتا رہونگا، تیسرے نے کہا شادی نہین کرونگا آن حضرتؐ یہ تمام باتین سن رہے تھے، باہر تشریف لائے اور انہین ایسی راہبانہ زندگی سے منع کیا اور فرمایا **فمن رغب عن سنتی فلیس منی**، البتہ کتاب الرقاق مین ایسی حدیثین پائی جاتی ہین جنھین دیکھکر ایک سطحی معلومات رکھنے والا شخص صوفیانہ عقاید کو سراپا اسلام کے مطابق سمجھ لیگا، لیکن جب اسکی نظر کتاب البیوع اور کتاب النکاح کی حدیثون پر جاویگی تو اسے معلوم ہوگا کہ دنیا اور آخرت کے متعلق اسلام کا صحیح معیار کیا ہے؟

معزز ناظرین:۔ یہ مضمون جب مین روانہ کرچکا تو اثنائے تلاوت مین سورۂ نحل کی اس آیت پر غور وفکر کا موقعہ ملا"

والله جعل لكم من بيوتكم سكنا وجعل لكم من جلود الانعام بيوتا تستخفونها يوم ظعنكم ويوم اقامتكم ومن اصوافها واوبارها واشعارها اثاثا ومتاعا الى حين ۞

ترجمہ - اور اللہ نے تمہارے واسطے تمہارے گھرون مین رہنے کی جگہ بنائی اور تمہارے واسطے تمہارے جانورون کی کھال کے گھر بنائے، جنکو تم اپنے کوچ کے دن اور مقام کے دن ہلکا پاتے ہو اور انکے اون اور انکے روئن اور انکے بالون سے گھر کا سامان اور فائدہ کی چیزین ایک مدت تک کیلیے بنائین۔

اس آیت سے صرف یہی نہین کہ عہد نبوت مین تمدن عرب کے متعلق لطایف تاریخی پر روشنی پڑتی ہے، بلکہ اس سے میرے اس سرسری تحقیق کا بھی رد ہوجاتا ہے جسمین مین نے لکھدیا ہے، کہ قرآن مجید مین کہین "صوف" کا لفظ استعمال نہین ہوا، اس سے بھی بڑھکر لطف یہ ہے کہ اکثر محققین یورپ کے اس بیان پر بھی تنقیدی روشنی پڑتی ہے جنھون نے لکھا ہے، کہ لباس "صوف" کا استعمال شام کے مسیحی راہبون سے لیا گیا ہے، حالانکہ استشہاد قرآنی سے یہ ثابت ہے، کہ لباس صوف کا استعمال نزول قرآن کے وقت بھی عربون مین مروج تھا مبادی تصوف پر تاریخی روشنی ڈالنے مین علمائے مغرب نے "لباس الصوف" کو بڑی اہمیت دی ہے، چنانچہ تصوف کے متعلق پروفیسر نالڈک کی تاریخی تحقیقات کا مدار زیادہ تر اس نظریہ پر بحث وتمحیص سے متعلق ہے، کہ لباس صوف کا استعمال شام کے مسیحی راہبون سے لیا گیا ہے، (انسائیکلو آف ریجن اینڈ اتھکس) غضب تو یہ ہے کہ علامہ ابن خلدون نے بھی یہی لکھا ہے، اور غالبًا ابن خلدون ہی سے پروفیسر نالڈک نے استفادہ کیا، (ریجس اپچیوڈ اینڈ لائف ان اسلام) نکلسن نے مقدمہ "صوفیائے اسلام" مین اپنی نظریہ پر زور دیا ہے، کہ صوفی کا لقب مسیحیت کا منت کش ہے، اور یہ کہ قدیم زہاد اسلام ترک دنیا کے خیال مین مسیحی راہبون کی دیکھا دیکھی موٹا بدنما اونی لباس پہنا کرتے تھے، (مسٹکس آف اسلام) ابھی تک میرے پاس ایسے مواد تاریخی موجود نہین جنکی بنا پر علمائے مغرب کے اس نظریہ کی تردید کیجائے کہ لفظ صوفی کا وجود عہد نبوت مین نہ تھا، یا یہ کہ یہ اسلام کی پیداوار نہین ہے، لیکن محققین مغرب کے طوفان تحقیق پر قرآن مجید کی اس آیت سے توکم ازکم تنقیحی روشنی پڑتی ہے کہ صوفیہ نے لباس الصوف کا استعمال مسیحی راہبون کی دیکھا دیکھی نہین شروع کیا، بلکہ اس مشابہت لباس کی جو تاریخی تعیین کی جاتی ہے اس سے قبل بھی عرب مین اسکا رواج تھا، ممکن ہے، اپنے ملکی لباس ہی کے دائمی استعمال کے باعث ایک جماعت زہاد "صوفیہ" کے لقب سے موسوم کردیگئی ہو، بہرحال، قرآنی آیت کی بنا پر مغربی علما کی وہ تحقیق جو لفظ صوفی کی وجہ تسمیہ کے متعلق ہے، ایک تاریخی، نقص، اور ایک ظن لاطائل ہے، جسے ایک جویائے حق صحیح تسلیم کرنے کیلئے تیار نہین مجھے بڑی مسرت ہوگی اگر ناظرین نگار مین سے کوئی صاحب جنھون نے "واقعۃً" تصوف کے متعلق تحقیق و کاوش کی ہو، میرے مضمون کے "صوفیانہ حصہ" پر تنقیدی روشنی ڈالینگے، تاکہ عوام کے معلومات مین اضافہ ہو، اور مجھے تصوف کے متعلق اپنے خیالات مین ایک معتدل راہ اختیار کرنی پڑے۔

عبد المالک آروی

علم فراست الید:- اگر آپنے ابتک نہین ملاحظہ کی تو اب طلب فرمائیے۔ قیمت علاوہ محصول عہ (مینجر نگار)

سیاح کی ڈائری

(تیسری قسط)

لکھنوی شاعری اور اس کا ہیولیٰ

قبل اس کے کہ مین لکھنؤ کے موجودہ شاعرون کی شاعری اور ان کے حالات سے بحث کرون، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصراً یہان کی شاعری کی ہیئت وضعی، وضع ترکیبی، اور ترکیب عنصری پر اپنے خیالات کا اظہار کر دون۔

اس وقت تک عام طور پر دہلی لکھنؤ کی شاعری کے متعلق بحث کا جو پہلو اختیار کیا گیا ہے، وہ بہت سطحی ہے اور سوائے اس کے کہ چند مثیل یا افتادہ باتین دونون جگہ کی شاعری کی تمیز و تفریق کے لئے بیان کر دیجائین، کوئی ایسی عمیق اور اصولی بحث اختیار نہین کی گئی جو اس تفریق و امتیاز کے اسباب کو بھی سامنے آئے اور ہر شخص ان کو دیکھ کر از خود فیصلہ کر سکے کہ ان دونون مین حقیقتاً وجہ امتیاز کیا ہے اور کن وجوہ کی بنا پر ایک کو دوسرے سے مرجح قرار دیا جا سکتا ہے

ظاہر ہے کہ لکھنؤ کوئی قدیم آبادی نہین ہے بلکہ لکھنؤ کا وجود اپنی تمام "لکھنویت" کے ساتھ ایک استعارہ ہے، فیض آباد سے جو نوابان اودھ کا اولین مہبط تھا۔ اب اسی کے ساتھ آپ حکومت اودھ کی تاریخ پر بھی غور کیجئے کہ اس کی بنیاد کیونکر قائم ہوئی، یہ امر شاید کسی سے مخفی نہین کہ، شاہان دہلی سے بغاوت و انحراف کا نام حکومت اودھ ہے اور برطانیہ کی بساط سیاست پر ایک شاطرانہ چال بنیاد ہے، شاہان اودھ کے وجود کی۔ جس طرح سلطنت مغلیہ کے دوسرے وفادار اور نمک حلال عمال دیگر اکناف ہند مین اپنی اپنی حکومتین قایم کر کے داد وفا دیچکے تھے، اسی طرح نواب سعادت علی خان بانی حکومت اودھ نے اپنی قابل ستایش ذہنیت کا ثبوت دیا اور چونکہ حکومت برطانیہ کلیۃً دہلی کا اقتدار مٹا دینا چاہتی تھی اس لئے آخر کار "غازی الدین حیدر" کو شاہ کا لقب دیکر گویا یہ خصوصیت بھی دہلی کی چھین لی۔ اس لئے اگر فرمانروایان اودھ کے دلون مین شروع ہی سے دہلی اور دہلویت سے تنفر رہا ہو اور یہان کی فضا مین اس جذبہ کے ماتحت لوگون نے پرورش پائی ہو تو جائے حیرت نہین پھر اگر آپ دونون جگہ کے اخلاق و معاشرت تہذیب و تمدن، وضع و ملبوس، خیال و زبان پر غایر نگاہ ڈالین گے تو معلوم ہوگا کہ لکھنؤ نے قصد کر کے دہلی کی ہر بات کو محو کرنا چاہا حتی کہ اگر دہلی والے کسی لفظ کو مذکر بولتے تھے تو اہل لکھنؤ نے اسے مونث بنا کر چھوڑا اس مغایرت کا ایک سبب تو یہ تھا اور دوسرا بڑا سبب مذہب تھا جو حقیقتاً تاریخ اودھ کی داستان کا نہایت ہی دردناک ٹکڑا ہے مین اس کی تفصیل سے لطیف طبائع کو منغص کرنا نہین چاہتا، جن حضرات کو اس کے جزئیات کا علم حاصل کرنا مقصود ہو وہ تاریخ کی کتابون مین جستجو کرین۔ لیکن مختصراً یہ ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ حکومت اودھ کی ساری تاریخ گویا ایران کے عہد صفوی کی

تاریخ ہے۔ اور مذہبی تنگ نظری کی وہ تمام صورتین جو ایک انسان کو مذہب کا بھی دشمن بنادیتی ہین پوری قوت کے ساتھ لکھنؤ مین ہر جگہ پائی جاتی تھین۔ ایران کے دورِ صفوی مین تو صرف اسیقدر ہوا کہ شاعری صرف مرثیہ گوئی ہو کر رہگئی، لیکن لکھنؤ کی شاعری نام تھا ان عفونتون اور گندگیون کا جو اوباشانہ اخلاق کا جزو لازم ہین اور تمام اُن رکیک وسخیف اور رذیل وذنی جذبات کا جو صرف ایک گناہگار اور سیاہ کار دل ہی سے پیدا ہو سکتے ہین۔ اگر یہ صحیح ہے کہ ماحول کا اثر شاعری پر ہونا لازم ہے، تو ایک ملک و قوم کی شاعری کو دیکھ کر اس کے ماحول کا اندازہ کرنا بھی لازم منطقی نتیجہ ہے۔ پھر خواہ آپ سلطنت اودھ کے سیاسی، اخلاقی، مذہبی، معاشری حالات کے ساتھ ساتھ اُس وقت کی شاعری کا مطالعہ کیجئے یا اُس عہد کی شاعری سے آپ اُس زمانہ کے اخلاق پر حکم لگائے نتیجہ ایک ہے اور اس یقین تک پہونچنا لازم کہ لکھنؤ کا وہ دور جسے یہان کا عہدِ زرین کہا جاتا ہے اپنے ذہنی ودماغی انحطاط، اخلاقی و معاشری زوال، مذہبی گندگی وتنگ نظری، بلکہ مین تو یہ کہونگا کہ اپنی حیوانیت ودرندگی اور وحشت وسبعیت کے لحاظ سے ایک ایسا عبرتناک دورِ حضیض تھا کہ شاید ہی اس کی کوئی دوسری مثال دنیا کی تاریخ مین پیش کیجا سکے۔ خواجہ عبد الرؤف عشرت خواہ کتنی ہی حسرت کے ساتھ قیصر باغ کی رنگ رلیون کا ذکر کیون نہ کرین، عیدین کے موقعہ پر شاہانہ جلوس اور اس کے تزک و احتشام کا افسانہ خواہ کسی زبان وانشا مین کیون نہ تحریر فرمائین، لیکن دنیا اس واقعہ کو کبھی فراموش نہین کر سکتی کہ اسی قیصر باغ مین شہر کے اکابر وامرا کی حسین حسین لڑکیان محرم کی روضہ خوانیون، عزاداریون اور تمثیل سازیون مین ائمۂ اطہار کی بیویان بنا بنا کر پیش کیجاتی تھین اور واجد علی شاہ وہ عظیم المرتبت الشان وہ شوکت وجبروت والا بادشاہ، اچھوتیون کے ساتھ خود بھی معوزہ مین مبتلا رہنے کے بعد کسی نہ کسی امام زادہ کو (مومی شبیہ، چینی کی مورت، یا گڑیا کی صورت مین) جنا کرتا تھا، اور جب "مبارک سلامت" کے ترانے گائے جاتے تھے تو وہ ایک نو عروس کی طرح گھونگٹ کرکے بیٹھ جاتا تھا اور جب عالم نشاط کی فراوانی سے مجبور ہو جاتا تو خود بھی کنچنیون، پاترون اور کسبیون کے ساتھ ملکر اپنی بھدی کمر مین "لرزش رقصانہ" اور عفریتی جسم مین جنبش دامشگرانہ پیدا کرنے کی کوشش کرتا تھا

ظاہر ہے کہ جس ملک کا فرمانروا اس رنگ کا رہا ہو، جس کی نفس پرست زندگی نے حلال وحرام کا پردۂ تمیز اٹھا دیا ہو، جس نے اپنی زندگی کا "اسوۂ حسنہ" یہ پیش کیا ہو، وہان کی رعایا کی اخلاقی حالت کا کیا عالم ہوگا اور ان کی حیوانیت "ارتقا" کے کس دور مین رہی ہوگی۔ پھر یہ برکات صرف واجد علی شاہ کے عہد سے مخصوص نہ تھے بلکہ اودھ کا ہر حکمران کم وبیش یہی ذہنیت لیکر آیا تھا اور کسی نہ کسی اخلاقی پستی کا مظہر اتم ہونے کی خصوصیت کبریٰ اسے حاصل تھی

اگر شاعری نام ہے جذبات کے اظہار کا اور جذبات پیدا ہوتے ہین خود اپنے اور ماحول کے معاشری واخلاقی حالات سے ہر شخص بہ آسانی حکم لگا سکتا ہے کہ لکھنوی شاعری کو کیسا ہونا چاہئے اور اس کی حقیقت کیا ہو سکتی ہے۔ مثلاً ناسخ کے مشہور شاگرد شیخ امان علی سحر کا یہ شعر ملاحظہ ہو۔

استخارہ جو سحر وصل پہ واجب آیا　　بسکر اکر وہی کنٹھا مرے منہ پر مارا

استخارہ ایک مذہبی عمل ہے لیکن اس کو اخلاق کی پستی کہئے یا مذہبی ننگ کا علو کہ معشوق خود "بے اختیاری شوق" کے عالم مین وصل کے لئے استخارہ کرتا ہے (گویا وہ بڑا عمل خیر ہے) اور شاعر "واجب آیا" کہکر اُسے ایک اور درجۂ ترقی پر پہونچا دیتا ہے البتہ دوسرے مصرعہ مین جس معشوقانہ ادا کا اظہار ہے، وہ بجائے خود ایسی چیز ہے کہ کنٹھا کہے یا نہ کہے، وصل کا واجب کیا، فریضۂ سحر کی صورت اختیار کرلینا یقینی ہے

میرے نزدیک شاعری کے تمام اصناف مین "غزلگوئی" جسقدر بلند چیز ہے کوئی نہین، روح کی گہرائیون، اور قلب کے اعماق سے خبردار کرنے والی چیز اگر کوئی ہوسکتی ہے تو صرف غزل ہے اور اسی بناء پر کہا جاتا ہے کہ غزل کا ارتقاء تصوف ہے (تصوف سے مراد عہد حاضر کی قبر پرست، مرید ساز خرقہ کو ساوس والی درویشی نہین ہے، بلکہ میری مراد وہ علوئے فطرت وہ عروج روح، اور وہ استعلاء تصور ہے جہان انسان مادیت سے گزر کر اپنے حیز اصلی، نور ربانی اور جلوۂ حقیقی سے ہم آغوش ہوجاتا ہے اور تمام امتیازات دنیاوی کو جن مین امتیاز مذہبی بھی شامل ہے محو کر دیتا ہے)۔ پھر جو شخص فطرتاً شاعر ہوتا ہے وہ اپنی اول منزل مین بھی جو یقیناً "منزلِ لب بام" ہی ہوا کرتی ہے، شاہد اصلی کے جلوہ کو سامنے رکھتا ہے، انتہائی منزل کے حصول سے غافل نہین ہوتا اور دنیاوی زیر و بم مین بھی اس نغمۂ سرمدی کو سنتا رہتا ہے جو ہر ساعت، ہر لحظہ، ہر دم اس کو اپنی لذت سے بیخود رکھتا ہے،

یہ صحیح ہے کہ ہر شاعر اختلاف استعداد کے لحاظ سے ایک مخصوص درجہ سے آگے نہین بڑھتا، اور بہت کم ایسے ہوتے ہین جو بیدل کے مرتبہ تک پہونچنے مین کامیاب ہون۔ لیکن ایک فطری و وہبی شاعری خواہ وہ کتنی ہی ابتدائی منزل مین کیون نہ ہو، اُس سوز و گداز، اُس درد و تاثیر، اُس عذوبت بیان، اس حلاوت زبان، اور اُس حقیقت و صداقت سے خالی نہین ہوسکتی جو فطرت کی طرف سے صرف ودیعت ہوتی ہے اور کوشش سے حاصل نہین کیجا سکتی

پھر غور کیجئے کہ اُس دور حکومت کی شاعری جو غداری کورنمکی، اور جذبۂ نفرت و استکراہ پر قایم ہوئی ہو اور اُس عہد معصیت کی شاعری جس مین ادنیٰ و ذلیل درجہ کے حیوانی جذبات کے سوا کسی جذبۂ عالی کی پرورش کی فضا نہ پیدا ہوئی ہو اور اُس زمانۂ فسق و فجور، کی شاعری جب مذہبی استخفاف اور بے حیائی و بے غیرتی اس حد تک پہونچ جائے کہ وصل کیلئے استخارہ کا کنٹھا سنبھالنا بھی معیوب نہ رہے، یعنی انیسوین صدی کے نصف اول کی وہ لکھنوی شاعری جس نے اسی ماحول، اسی ذہنی پستی، اسی اخلاقی فرومایگی، اسی مذہبی ننگ نظری اور اسی ہیجان بدمستی مین آنکھ کھولی ہو، وہ ناسخ و وزیر ہی پیدا کرسکتی تھی نہ کہ مومن و میر، اس مین سحر و صبا ہی کے تخلیق کی اہلیت تھی نہ کہ درد و قایم کے

لکھنؤ کی شاعری مین الفاظ کی طلسم بندی، کنگھی چوٹی انگیا، آنچل، آرسی سرمہ، بے معنی صنائع و بدائع اور اسی قسم کے بہت سی سطحی و غیر سنجیدہ خصوصیات کے پیدا ہونے کا سبب یہی تھا کہ اُس وقت کی زندگی ہی ایک جھوٹی زندگی تھی اک غیر حقیقی ہستی تھی اور رات دن ان کو انھین چیزون سے واسطہ تھا اور انھین پر اُن کے نشاط کی بنیاد

قائم تھی۔ ان کی شاعری کا موضوع عہد وحشت کی وہ عورت تھی جب اس سے صرف ہوس رانی کا کام لیا جاتا تھا اور جس کو اسباب آرائش و زیبائش کی دوسری کم مایہ جنسون کی طرح قابل بیع وشری جنس قرار دیا گیا تھا۔ لکھنؤ کی سرزمین مین قصر شاہی سے لیکر فقیر کے جھونپڑے تک یکسان طور پر جذبۂ شہوت پرستی کارفرما تھا نہ فرمانروا کو اپنی ذمہ داریون کا احساس رہگیا تھا اور نہ رعایا کو تحسین تمدن کا، ہر شخص اپنی اپنی جگہ عیش کوشی و نشاط اندوزی مین مصروف و منہمک تھا اور نسائیت جو پُر معصیت زندگی کا لازمی نتیجہ ہے بلا تفریق ہر طبقہ کے مردون مین پیدا ہوتی جا رہی تھی سرکار انگریزی نے عملاً تمام اقتدار شاہانہ سے محروم کرکے شاہ و رعایا سب سے عسکری روح چھین لی تھی اور ان کے جذبات حماست و شجاعت کو صرف بٹیر بازی، کنکوے بازی اور تیتر بازی مین تبدیل کر دیا تھا اور وہ بالکل غیر معلوم و غیر محسوس طور پر انسانیت کی اُس نیچی سطح پر آرہے تھے جو حیوانیت تک پہونچنے کے لئے حد فاصل درمیان نہین رکھتی۔ اسی لئے لکھنؤ کا شاعر کبھی ایک یاوہ گو ناظم، ایک ہرزہ سرا متشاعر ایک بوالہوس حسن پرست ایک بازاری نقرہ باز، ایک عامی پھبتی گو، ایک سوقی عیاش کی حیثیت سے آگے نہین بڑھا اور نہ بڑھ سکتا تھا کیونکہ ماحول اور فضا کا اقتضا یہی تھا

اہل لکھنؤ کا دعویٰ ہے کہ زبان کو جو ترقی یہان ہوئی کسی جگہ نہین ہوئی یہانتک کہ شعراء دہلی نے بھی یہین آکر یا یہان کی زبان کو سامنے رکھ کر اپنی زبان کی موج نکالی۔ اول تو مجھے اسی مین گفتگو ہے کہ یہان زبان کو ترقی ہوئی۔ کیونکہ زبان کی ترقی کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ وہ بلند سے بلند جذبہ و خیال کے اظہار پر قادر ہو جائے اور اس کی ایک مثال بھی یہان کے بڑے سے بڑے شاعر کے کلام مین نہین ملتی۔ البتہ عیاشانہ اور بازاری زبان نے یہان ضرور ترقی کی اور عامیانہ خیالات کے اظہار کے لئے بیشک بہت سے جدید اسلوب پیدا کر دئے، چنانچہ آج بھی یہان کا سنجیدہ سے سنجیدہ نقاد ایک شعر کی داد دیتے وقت کبھی اس کو زہریلا بنا دیتا ہے، کبھی، اس کے دھوئین کو ماوراء سرحد تخیل بل کھاتا ہوا پاتا ہے، کہین اس کے "کس، بل" کو نمایان کرتا ہے اور کہین "اے توبہ، اُوئی اللہ" کہکر خدا معلوم اپنی یا شاعر کی نسائیت کو ظاہر کرتا ہے ——— اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے کہ لکھنؤ نے زبان اور محاورون کو درست کیا تو میری سمجھ مین نہین آتا کہ شاعری اور وہ بھی خصوصیت کے ساتھ غزل کو اس سے کیا فایدہ پہونچا جو قطعاً ان دونون چیزون سے بے نیاز ہے، غزل کی زبان کبھی پہلے نہین بنتی، بلکہ غزلگو کے خیال کے ساتھ ساتھ پیدا ہوتی ہے وہ زبان کا پابند نہین ہے بلکہ خود زبان اس کی محتاج ہے۔ اگر ناسخ نے جو لکھنوی شاعری کی دنیا کا ابو الآباء سمجھا جاتا ہے، بہت سے محاورات اپنے دیوان مین نظم کر دئے، صحت الفاظ کا بہت خیال رکھا، تو نتیجہ کیا ہوا یہی نا کہ وقت ضرورت اس سے ایک لغت یا فرہنگ کا کام لے لین۔ غزلگوئی کو اس سے کیا فائدہ پہونچا محاورے اس نے جتنے بھی لکھے ہون لیکن غزل اس کی ان حدود سے آگے نہین بڑھتی کہ

سخت دل جو ہین انھین محروم رکھتا ہے فلک　　بیضۂ فولاد سے بچہ کہان پیدا ہوا

نہین آتا نظر مرہم لگائے کس جگہ کوئی — وہان یار گویا منہ ہے میرے زخم نہان کا

جب وہ مسجد مین دا کرتے ہین — سب نماز اپنی قضا کرتے ہین

میرے نزدیک لکھنوی شاعری عبارت ہے۔ ناسخ، آتش، مصحفی اور ان کے شاگردونکے کلام سے۔ ناسخ کے کلام کی بے نمکی اور اس کا "شعر" کی تعریف سے یکسر علیحدہ ہونا کسی سے مخفی نہین ناسخ کے جتنے مشہور شاگرد ہوئے وہ بھی اس باب مین اپنے استاد سے کسی طرح کم نہ تھے، چنانچہ امداد علی بحر، شیخ امانعلی سحر خواجہ وزیر کا کلام اٹھا کر دیکھئے، یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان غریبون مین کبھی جھوٹی محبت کا بھی جذبہ پیدا نہین ہوا

بحر کے بعض اشعار ملاحظہ ہون:۔

خوشبو مین کیا ہین داغ مودت کے اخگرے — سر ہے کہ دوش پر ہے قرابہ گلاب کا
افسوس ہم نے خط غلامی دیا اُسے — لکھوا لیا نہ اس سے مچلکا رقیب کا
اے بحر نہ لے عارض محبوب کا بوسہ — شبہہ ہے مجھے کان کی بجلی پہ نمر کا
بیمار ہون خوبصورتون کا — حُسن یوسف مری دوا ہے

سحر کی شاعری مین ایک تو وہی کنگھے والا شعر ہے، دو چار نوادر اور ملاحظہ ہون

طایر روح کو دانے پہ لگایا قاتل — دل پہ ہم نے تری بندوق کا چھرا کھایا
دوڑ کر ابرو قاتل کی بلائین لے لین — بیٹھے بٹھلائے اوبھٹے ہات مین چرکا کھایا
مسکرا کر وصل مین جب دانت پیسے یار نے — موج خندہ بن گئی زنجیر موتی چور کی

وزیر کی لفظ پیمائیان بھی عجیب وغریب ہین:۔

گرمیان کیں اسقدر ہر عضو شعلہ ہوگیا — شب کو روشن یار کے بازو کا اکا ہوگیا
بدن مین میرے جتنے زخم ہین آنکھین جھپکاتے ہین — نہ پوچھو کسقدر پیاسا ہون آب تیغ قاتل کا
گر دم مشق خیال خط جانان ہوگا — پھر تو جو خط مین لکھونگا خط ریحان ہوگا

شاعری کا جہان تک تعلق ہے آتش یقیناً ناسخ سے بدرجہا بہتر ہے لیکن "لکھنوی خصوصیت" اس کے کلام مین بھی کثرت سے پائی جاتی ہے:۔

دیدۂ یار کہین کیا اسے کیف مے مین — بھونکر روز گزک کرتے ہین بادام کو ہم
چلے تو سیر کو ہین آپ مستی ملکے گلشن مین — اشارے کیسے کیسے ہونگے نافرمان و سوسن مین
یاد رخسار کتابی جو رہا کرتی ہے — دل سمجھتا ہے مرا حافظ قرآن مجھ کو

ان کے شاگردون مین رند وصبا کا خاص مرتبہ سمجھا جاتا ہے، لیکن ان کی یہ خصوصیت بھی صرف اسی رنگ کی بنا پر ہے، رند کے چند شعر ملاحظہ ہون

بادۂ گلگون مین افیون کا اثر ہو جائے گا — دورِ مے یار بن دورانِ سر ہو جائے گا
خالِ رُخ کے عشق مین مرتے ہین عاشق سیکڑون — سنکھیا کا عالم اس حب شفا کا ہو گیا
تلوار دکھاؤ مجھے گولی سے نہ مارو — تل ڈھانک لو اور ابروخمدار دکھاؤ

صبا کا مرتبۂ شاعری یہ ہے:-

سرکشی پر جو وہ سروِ ستم ایجاد آیا — پاس اترے کے گھسٹتا ہوا شمشاد آیا
یار گل اندام سے پہلو جو خالی ہو گیا — سوکھ کر مین شکل تصویر نہالی ہو گیا

مصحفی چونکہ لکھنؤ کے نہ تھے اس لئے ان کے سلسلہ سے یہان بحث کرنا فضول ہے، لیکن اسقدر اظہار ضروری ہے کہ دور ناسخ کی لغو ومہمل شاعری سے انحراف کرکے سہل وشستہ زبان مین کچھ کچھ جذبات کو لئے ہوئے غزل کہنے کی بنیاد ڈالنے والے دو ہی شخص تھے ایک ضامن علی جلال جو رشک کے شاگرد تھے اور دوسرے منشی امیر احمد مینائی جو اپنے علم وفضل، اخلاق وعادات کے لحاظ سے بہت زیادہ بلند انسان تھے اور جنکو شاعر کہنا میرے نزدیک ان کی توہین ہے، چونکہ اُس وقت کی فضا مین سوائے شاعری کے کوئی دوسرا نغمہ مقبول ہی نہ تھا، اس لئے منشی امیر احمد مینائی پر بھی اس کا اثر ہوا اور شاعری کی طرف متوجہ ہو گئے ورنہ قدرت نے انکو اس سے بہت زیادہ اہم خدمات کیلئے پیدا کیا تھا، مگر چونکہ فطرت مین لوچ تھا جو ہر کمال کے حصول کا ان مین موجود تھا، اس لئے اساتذۂ شعر مین بھی انکا شمار ہونے لگا اور حقیقت یہ ہے کہ یہ امتیاز ان سے کبھی نہین چھینا جا سکتا کہ انھون نے باوجود لکھنؤ مین رہنے کے جہان ناسخ کی شاعری کے جراثیم ایک مرض متعدی کی طرح پھیلے ہوئے تھے ایک الگ راہ شاعری کی قایم کی اور اپنی فطری صلاحیت کی بنا پر وہ شعر کہگئے کہ ہمین کسی ایک لکھنوی شاعر کے کلام مین نہین ملسکتے، لیکن دنیا شاید یہ سنکر تعجب کریگی کہ اہل لکھنؤ، امیر مینائی سے کچھ خوش نہین ہین اور ان کے مستند استاد ہونے سے بھی انکار کرتے ہیں

امیر مینائی کے دو دیوان مرآۃ الغیب اور صنم خانہ دو علٰحدہ رنگ کے دیوان ہین اور اس سے انکار نہین ہو سکتا کہ ان دونون مین کثیر اشعار اُس رنگ کے ہین جن پر صحیح تغزل کا اطلاق نہین ہو سکتا، لیکن ناسخ کی شاعری کو دیکھتے ہوئے امیر کا بُرے سے بُرا شعر بھی ایک درجہ رکھتا ہے اور اگر پور اتفحص کیا جائے تو مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ذہنیت یکسر دہلوی تھی لیکن ماحول کے اثر سے مجبور ہو کر انھون نے لکھنوی شاعری کو اختیار کیا

ان کے چند اشعار جن سے ان کا صحیح ذوق شعری نمایان ہوتا ہے ذیل مین درج کئے جاتے ہیں:-

کہتے تھے دل کسی سے لگاؤ نہ اے امیر — دیکھو تو چار روز مین کیا حال ہو گیا
وہ آئے کھینچ کے تلوار سب کو شاد کیا — امیر آج بہت ہم نے تم کو یاد کیا
کچھ آج نہین رنگ یہ افسردہ دلی کا — مدت سے یہی حال ہے یارو مرے جی کا

لیا پھر تو نے اس کا نام اے دل ۔۔۔ ارے ظالم ابھی سمجھا چکا ہون
کرتے ہین جو لوگ ذکر اُن کا ۔۔۔ ایک ایک کا منہ میں دیکھتا ہون
دم لے نہ ابھی پوچھ مرے درد کو ہمدم ۔۔۔ رونے سے جو دل ٹھیرے تو کچھ بات کرون مین
کھاتے ہو قسم نہین میں عاشق ۔۔۔ صورت تو امیر اپنی دیکھو
اک ذرا پردۂ محمل کو اُٹھا دے لیلی ۔۔۔ پھر کوئی حالت بیتابی مجنون دیکھے
تم دُکھاتے تو ہو امیر کا دل ۔۔۔ اور جو وہ کوئی آہ کر بیٹھے
ہات ڈالا مین نے دامن پر تو بولے ناز سے ۔۔۔ میرا دامن چھوڑ دے اپنا گریبان پھاڑ دے
اک کنارے پڑا ہوا ہے امیر ۔۔۔ کچھ تمھارا غریب لیتا ہے
کوئی امیر ترا درد دل سنے کیونکر ۔۔۔ تو ایک بات کہے اور دو گھڑی روئے

کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ اشعار کسی لکھنوی شاعر کے ہین؟ مین تو سمجھتا ہون کہ یہ تصرف ہے ان کے دادا استاد مصحفی کا جو غیر لکھنوی تھے اور خود اُن کی فطری صلاحیت کا جس مین دہلویت بڑی حد تک مرکوز تھی

امیر اللہ تسلیم بھی لکھنؤ سے نسبت رکھتے ہین لیکن یہ نسبت ہر لحاظ سے غلط ہے، کیونکہ نہ انکا اصلی وطن لکھنؤ تھا اور نہ وہ لکھنوی ذوق کے متبع تھے۔ چنانچہ خود وہ ایک جگہ لکھتے ہین

مین ہون اے تسلیم شاگردِ نسیم دہلوی ۔۔۔ مجھکو طرزِ شاعرانِ لکھنؤ سے کیا غرض

متاخرین مین مرزا تعشق کا وجود بیشک ایسا ہوا ہے جو خاندان ناسخ کی شاعری مین علحدہ رنگ رکھتا تھا اور ان کے مختصر دیوان مین تلاش کرنے سے بعض ایسے شعر ملسکتے ہین جن کو شعر کہا جاسکتا ہے، لیکن چونکہ خالص لکھنوی لوگ تھے اور تلمذ بھی ناسخ سے تھا اس لئے مہملات کی بھی کمی نہین ہے۔ ملاحظہ ہو:-

سوئے دریا خندہ زن وہ یار جانی پھر گیا ۔۔۔ موتیون کی آبرو پر آج پانی پھر گیا
کیا معاذ اللہ مری وحشت نے پھیلائے ہین پانون ۔۔۔ راہ برسون کی مرا چاک گریبان ہو گیا
عشق دندان کی رعایت مرے جان لازم ہے ۔۔۔ آبروے دل بے تاب و توان لازم ہے
کیا کنوین مجھ کو جھنکائیگی مری کا ہیدگی ۔۔۔ چاہ میرے واسطے ہر نقش پا ہو جائے گا
کیون کبوتر کے عوض ہدہد نہ لایا خط شوق ۔۔۔ اس خطا پر مجھ سے وہ بلقیس[۱] ثانی پھر گیا

ہر چند لکھنوی شاعری کا یہ رنگ برابر انحطاط پذیر ہے اور اب شاید ہی کوئی صحیح مقلد و متبع اس شاعری کا ہو، لیکن وہ سمیت جو فضا مین اس طرح پھیل گئی ہو دفعۃً دور بھی نہین ہو سکتی اور "زمانۂ قریب" مین ابھی بعض خدا کے بندے ایسے گزرے ہین

[۱] اگر تعشق کو کسی عورت سے محبت نہ تھی، تو پھر بلقیس کا مرد ہونا یقینی ہے۔

جو استاد ناسخ کی رُوح کو خوش کرنے کے لئے کافی سامان اپنے بعد چھوڑ گئے ہین، چنانچہ زیادہ زمانہ نہیں گزرا جب فرنگی محل کی علم خیز سرزمین سے مولانا حافظ محمد برکت اللہ رضا کا ایک دیوان مطبع یوسفی سے شایع ہوا تھا جس مین یقیناً تمام وہ خصوصیات پائی جاتی ہین جو ایک "اعجوبۂ ادب" مین ہونا چاہئے۔ مولانا رضا فرنگی محلی یون تو امیر کے شاگرد تھے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی رُوح روز الست ہی مین ناسخ کے سامنے زانوے ادب تہ کر چکی تھی ملاحظہ ہو:۔

خیال سبزۂ خط مین زمرد کا پیا پانی — تصور مین ترے دانتون کے ہیرا کوٹ کر پھانکا

مولانا نے یہ شعر نعت مین فرمایا ہے رسول کے سبزۂ خط اور حسن دندان کا ذکر ان الفاظ مین کرنا حقیقت یہ ہے کہ فرنگی محلی ہی ذہنیت کا کام ہو سکتا ہے کسی اور کے بس کی بات نہین ہے، مولانا نے ایک بار محبوب کا بوسہ مانگا تھا اس کا حال ان الفاظ مین بیان ہوتا ہے:۔

بوسہ مانگا کالیان کھائین رضا — زہر پایا ہم نے شکر کا جواب

مولانا کی بوالہوسی ملاحظہ ہو:۔

حیرت سے ہم نہ ہوتے جو مبہوت وصل مین — نیند آتی اے رضا انھین کیونکر تمام رات

دوسرے مصرعہ کو پڑھکر غور فرمایئے کہ "اُن" کے رات بھر نہ سو سکنے کا کیا سبب ہو سکتا تھا اور مولانا کے "تہیۂ پیرافشانی" کی داد دیجئے۔ ایک صاحب نے یہ شعر سنکر فرمایا کہ ممکن ہے مولانا نے کوئی جائز و حلال صورت پیدا کرکے یہ اشعار کہے ہون مین نے کہا بالکل درست ہے کیونکہ مولانا نے یہ شعر کہکر اس حسن ظن کی بھی گنجائش نہیں رکھی

لپٹا یا رضا ہم نے تو جھنجلا کے وہ بولے — اب آپ کے گھر ہم کبھی آیا نہ کرینگے

یہ ہے شاعری ایک عالم متبحر، ایک فقیہہ مستند، ایک محدث جید کی جس کے خاندان مین ہمیشہ سے تورع و تقدس چلا آرہا ہے اور جس کے اخلاق و سیرت کو لوگ نمونہ و مثال کی صورت سے پیش کرتے ہین

اس سے آپ کو اندازہ ہو سکیگا کہ لکھنوی شاعری کے مذموم اثرات کن کن صورتون سے کن کن طبقون مین سرایت کر چکے ہین اور جن کے دور ہونے کے لئے میری رائے مین کم از کم ابھی نصف صدی کی ضرورت اور ہے

الغرض لکھنؤ مین تغزل کی جتنی مٹی پلید ہوئی وہ ناقابل عفو حد تک عفونت و گندگی سے بسریز ہے یہ ماننا پڑیگا کہ شاعری کی اُس صنف نے جسے مرثیہ کہتے ہین، یہان غیر معمولی ترقی کی اور شاہان اودھ کے اخلاقی مظالم کی تلافی اگر فطرت کی طرف سے کوئی ہوئی تو صرف یہ کہ اسنے انیس و دبیر کو یہان پیدا کر دیا، مرثیہ گوئی کم و بیش ہر زبان اور ملک مین پائی جاتی ہے، لیکن مذہبی و قومی اہمیت کے لحاظ سے جو مرتبہ لکھنؤ کے مرثیہ گوئی کا ہے اس کی نظیر دنیا مین کہین نہین ملسکتی

لکھنؤ کے موجودہ شعراء کی شاعری کا کیا رنگ ہے، اس کے متعلق میرا سرسری فیصلہ یہی ہے کہ فی الحال وہ دہلی اسکول کی ایک ناکام تقلید سے زیادہ حیثیت نہین رکھتی اور ہنوز وہ غلو پیدا نہین ہوا جو شاعری کو الہام کے حدود سے ملا دیتا ہے

آیندہ قسط مین، اس مسئلہ پر زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کا موقعہ ہے اگر کوئی اور بحث نہ چھڑ گئی

حکومت برطانیہ کی وسعت کا راز

(بہ سلسلۂ سابق)

انگلینڈ اور ہندوستان کا باہمی اثر

گذشتہ دو لکچروں میں تمھیں بتلایا گیا تھا کہ ہندوستان کی فتح، اور اسپر انگریزوں کی حکومت میں ایک خاص مفہوم تک کوئی امر قابل حیرت نہیں ہے۔ ہمکو بجا طور پر فخر ہو سکتا ہے کہ ہمارے ہم قوموں نے ہندوستان میں بہت بڑے بڑے کارہائے نمایاں کئے، ہمکو اُن انگریزوں پر ناز ہو سکتا ہے جنھوں نے حکمرانی کی عدیم المثال استعداد و لیاقت دکھلائی۔ لیکن یہ سمجھنا سراسر غلط ہے کہ سلطنت ہذا بذات خود ایک زندہ ثبوت ہے ہندوستانی اقوام کے مقابلہ مین انگریزی اقوام کی بے پایان برتری کا۔ اس برتری کا خیال اپنے دماغ سے نکالنے کے بعد ہم اپنی سلطنت کے ارتقا اور قیام کے اسباب دریافت کر سکتے ہیں اور اگر حیرت انگیز سے محض، معجز نما، مراد ہے یا یہ کہ معمولی اسباب پر اسکے وجود کو معلول کرنا مشکل ہے تو یہ سلطنت قطعی حیرت انگیز نہیں ہے

تاہم ایک مفہوم میں یہ سلطنت اُن تمام عام مفہوموں سے بہت زیادہ حیرت انگیز ہے۔ یعنی یہ اپنے اسباب کی بہ نسبت اپنے انجام میں زیادہ حیرت انگیز ہے۔ بالفاظ دیگر اِسکی عظمت مخصوص تاریخی مفہوم مین ہے۔ کیونکہ بقول میرے واقعات کی نتیجہ خیزی ہی نے اِسکو تاریخ کا درجہ دیا۔ اسی معیار سے ہم نے تاریخ انگلینڈ کے بہت سے واقعات کا درجہ بلند کر دیا خصوصاً انقلاب امریکہ کا جو بوجہ غیر دلچسپ اور بے چاشنی ہونے کے بہت کم مطالعہ کیا جاتا تھا۔ اس لئے میں کہونگا کہ سلطنت ہند اگرچہ نظر غائر کو کتنی ہی کم حیرت انگیز معلوم ہو لیکن جوں جوں بحیثیت افسانہ اسکا لطف کم ہوتا جائیگا، اسکی تاریخی دلچسپی بڑھتی جائیگی

یہ کوئی ضروری بات نہین ہے کہ ایک بڑی مشرقی سلطنت خاص طور سے اہم ہو۔ ایشیا میں بہت سی ایسی بڑی بڑی سلطنتیں گزری ہیں جو تاریخی اعتبار سے یونانی اور ٹسکن (Tuscan) شہری جمہوریتوں سے بھی کم اہم تھیں، صرف اسوجہ سے کہ اُنکے حدود بہت زیادہ اور مدت قیام طویل تھی ایسی سلطنتیں لائق دلچسپی نہیں ہو سکتیں۔ جب ہم انکی جزئیات کی تحقیق کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انکا نظام اونی تھا، اسکے بار سے تمام افراد دب کر چور چور ہو رہے تھے، نہ تو انکو اطمینان و خوش نصیبی حاصل تھی نہ وہ ترقی کر سکتے تھے اور نہ کوئی قابل یادگار ایجاد کر سکتے تھے۔ پہلی نظر میں بظاہر ہماری سلطنت ہند بھی اس درجہ لائق توجہ نہیں نظر آتی جس قدر عام خود رو ایشیائی مستبد حکومتین معلوم ہوتی ہیں۔ ہم انگریزی رائے عامہ کے مرہون منت ہیں جس کے ہاتھ میں ہندوستانی معاملات کا انصرام ہے، کیونکہ صرف اسی کی بدولت آج ہندوستان دماغی، اخلاقی اور انسانی ہمدردی کے اوصاف میں سلطنت مغلیہ کے زمانہ سے ارفع مقام پر کھڑا ہے۔ لیکن زیادہ سے زیادہ اس سلطنت کو ہم خراب سیاسی نظام کا ایک بہتر نمونہ کہہ سکتے ہیں۔ ہم کو اسکا فخر نہیں ہے کہ ہم شاہان مغلیہ کے جانشین ہیں۔ ہمیں شبہہ ہے کہ آیا باوجود ہماری تمام انتظامی

خوبیوں کے رعایا خوش ہے یا نہیں۔ ہمیں اسمیں بھی شبہ ہے کہ آیا ہماری سلطنت ہندوستانیوں کو بہتر حالت کیلئے تیار کر رہی ہے یا اور زیادہ مصیبت کی طرف ڈھکیلتی جا رہی ہے، ہمیں اس بات کا بھی اندیشہ ہے کہ شاید وہاں صحیح معنوں میں کوئی ایشیائی حکومت یا خود ہندوؤں کی ایک قومی حکومت قائم ہو جائے۔ اور انجام کار ہماری سلطنت سے زیادہ مفید ہو۔ اگرچہ یہ حکومت ہماری اجنبی اور غیر ہمدرد حکومت سے کم متمدن بھی ہو لیکن بوجہ باشندگان کی طبائع کے موافق ہونے کے اس سے زیادہ مفید ہوگی

لیکن ان وجوہ سے ہر سلطنت میرے نزدیک غیر لائق توجہ نہیں ہو سکتی۔ مثلاً سلطنت رومہ کو لے لو۔ مجھے یہ خیال ظاہر کرنے میں کوئی اندیشہ نہیں ہے کیونکہ حال میں تاریخ کے متعلق ہمارے خیالات میں بہت زیادہ تبدیلی ہو گئی ہے۔ یقیناً ایک زمانہ تھا جب رومن سلطنت بھی غیر قابل توجہ سمجھی جاتی تھی کیونکہ مستبد اور بعض اوقات باعث تکلیف اور نیم وحشی تھی۔ ایک نسل پہلے عام خیال یہی تھا کہ سیاست میں سوائے آزادی کے کوئی اچھائی نہیں ہے اس لئے تاریخ کے ان تمام عہدوں کو نظر انداز بلکہ منسوخ کر دینا چاہئے جنمیں آزادی معدوم ہو۔ اسی خیال کے ساتھ ساتھ مطالعہ تاریخ کی عادت بھی بالکل نظم کے مطالعہ کی سی تھی یعنی تاریخ کا مطالعہ صرف بخیال انبساط کیا جاتا تھا۔ چنانچہ اس عادت کی وجہ سے جب ہم ایسے عہد کی تاریخ پر پہونچتے تھے جو شاندار اور قابل تحسین واقعات سے معرا ہو تو ہم کتاب بند کر کے رکھ دیتے تھے۔ بلاشبہ اس زمانہ میں رومن سلطنت کی بھی مذمت کی جاتی تھی۔ جمہوریت رومہ کو صرف اس لئے عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے کہ اوسمیں آزادی تھی۔ اور رومن سلطنت کا ابتدائی عہد بھی محض اس خیال سے مطالعہ کیا جاتا تھا کہ اُسکے اندر حریت کے نشانات ملتے ہیں۔ لیکن جہاں دوسری صدی عیسوی شروع ہوئی ہمنے کتاب بند کر دی، اگویا دسویں صدی تک جو کچھ ہوا، تباہی وبربادی کے سوا کچھ نہ تھا اور پھر کتاب اُسوقت تک ہمارے ہاتھ میں نہ ہوتی جب تک انگلینڈ اور اطالوی جمہوریت میں حریت کا نشان پھر نہ ملنے لگتا۔ میرے خیال میں تاریخ کیساتھ یہ سلوک اب متروک ہو گیا اب تاریخ محض تفریح کی خاطر نہیں پڑہی جاتی بلکہ سیاسی نشو و نما اور انقلابات کے اصول دریافت کرنے کے لئے۔ نظر بران ہمکو اس سے بحث نہیں ہوتی کہ فلاں عہد شاندار ہے یا تاریک اگر وہ عہد بصیرت افروز ہے اور اُس سے ایسے سبق حاصل ہوتے ہیں جو دوسرے عہدوں سے حاصل نہیں ہوتے تو بس کافی ہے۔ ہم نے سیکھا ہے کہ علاوہ حریت و آزادی کے سیاست میں اور بھی خوبیاں ہیں۔ مثلاً قومیت اور تمدن۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک سلطنت مین آزادی تو نہیں ہے لیکن جہاں تک اِن دو مقاصد کے حصول کا تعلق ہے وہ بڑی رحمت ہے۔ اس لئے رومن سلطنت نہ صرف اپنے ابتدائی عہد میں بلکہ تیرھویں صدی تک باوجود اپنی غیر شائستگی، اوہام پرستی اور تکالیف کے تمام تاریخی واقعات سے دلچسپ ہے کیونکہ محسوس کیا جاتا ہے کہ یہ سلطنت ہرگز اندرونی ترقی، ابداعی قابلیت یا قابل یادگار نتائج سے معرا نہیں تھی۔ اسلئے کہ اسی کے بطن سے وہ بچہ پیدا ہوا جو موجودہ ' اخوت ' اور متمدن اقوام کے ' باہمی رشتہ ' کی شکل میں آج دکھائی دیتا ہے۔ اسی وجہ سے یہ سلطنت اگرچہ مستبد تھی لیکن اُسکی تاریخ کا مطالعہ نہایت توجہ اور کمال شوق سے کیا جاتا ہے

سلطنت رومہ اور اُن دیگر سلطنتوں میں جنکا قیام فتح پر تھا یہ فرق اسوجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ فاتح قومیں مفتوح

قوموں سے تہذیب میں فائق تھیں۔ ایک بڑی جنگجو اور فتحمند قوم کیلئے ضروری نہیں ہے کہ وہ متمدن بھی ہو۔ چنگیز خاں حقیقی معنوں میں فاتح تھا لیکن وہ کون تھا؟ ایک ایسے جفاکش قبیلہ کا سردار جو افلاس سے عاجز آکر قتل و غارتگری پر اتر آیا تھا۔ ایسے حملہ آوروں کے سامنے یقینی طور پر تمدن مغلوب ہو جائیگا۔ چنانچہ تاریخ میں ہم اکثر تمدن کو مفتوح دیکھتے ہیں۔ بعض اوقات اگر کسی وجہ سے تمدن اپنی جگہ قائم بھی رہ گیا تو ترقی نہیں کر سکتا تھا۔ البتہ موجودہ زمانہ میں ایجادات کی ترقی نے تمدن کے ہاتھ کو قوی کر دیا ہے۔ تاریخ کی سب سے بڑی فاتح اقوام میں ترکمانوں کی قوم تھی لیکن باعتبار ترقی سب سے پیچھے تھی۔ ایشیا کے تقریباً تمام اولوالعزم بادشاہوں کو زیادہ تر اسی قوم سے کرایہ کی فوجیں دستیاب ہوئیں بابر اور اکبر نے بھی اسی قبیلہ کی امداد سے ہندوستان فتح کیا، یہ تو عام اصول تھا لیکن جب کوئی خاص صورت پیدا ہو جائے اور ایک اعلیٰ درجہ کی متمدن قوم کسی ادنیٰ درجہ کی ترقی یافتہ آبادی میں بذریعہ فتح تہذیب کی نشر و اشاعت کرے تو ایسی سلطنت نہایت ہی مخصوص دلچسپی رکھتی ہے۔ اس قسم کی مثال سکندر اعظم کی فتح مشرق میں ملتی ہے۔ چونکہ اہل مقدونیہ یونانیوں سے بہت قریبی تعلق رکھتے تھے اس لئے وہ اپنے ساتھ تمام یونانی روایات و عادات مشرق میں لیتے آئے۔ چنانچہ ڈایاڈوچی (Diadochi) حکومتیں، اگرچہ محض ادنیٰ درجہ کی فوجی طاقتیں تھیں لیکن یونانی اور مشرقی خیالات کے اختلاط نے نہایت ہی عجیب اور قابل یادگار نتائج پیدا کئے۔ اس سے زیادہ قابل ذکر اثر سلطنت رومہ نے اقوام یورپ میں پیدا کیا کیونکہ اسکی مدت حیات طویل تھی اور سب اسکو اچھی طرح جانتے تھے۔ درحقیقت یہ واقعہ بنی نوع انسان کی تاریخ میں بہت نمایاں اور مرکزی خصوصیت رکھتا ہے، اگر اسکو موجودہ انسانی تہذیب کا سنگ بنیاد کہا جائے تو عین مناسب ہوگا

اب اگر انگریزوں کی فتح ہندوستان کا مقابلہ بجائے ترکوں اور مغلوں کی فتوحات سے اہل یونان کی فتح مشرق اور اہل رومہ کی فتح (Gaul) گال اور اسپین سے کیا جائے تو دونوں میں زمین آسمان کا فرق نظر آئیگا۔ اگر اسکا شمار اول الذکر فتوحات میں کیا جائے تو بغیر اسکی عظمت سے فریب کھائے ہوئے ہم اسے عہد جاہلیت کی تاریخ کا ایک معمولی ثانوی حیثیت کا واقعہ قرار دینگے۔ لیکن اگر اس فتح کا مؤازنہ آخر الذکر فتوحات سے کیا جائے تو پھر ہم اسکو دنیا کے افضل ترین واقعات کی صف اول میں جگہ دینگے، ایسے واقعات میں جو تمدن اقوام کی تاریخ میں اُسی قدر عالی مرتبت ہیں جسقدر ادنیٰ درجہ مشرق کی معمولی فتوحات ہیں

یہاں پر اس عام حقیقت سے بحث کرنیکی ضرورت نہیں ہے کہ برطانوی ہند کی حکمران قوم کا تمدن دیسی اقوام سے زیادہ قوی اور اعلیٰ ہے۔ ایسا دعویٰ کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ انگریزوں کی قوم دماغی اور ذہنی خصوصیات کے لحاظ سے یونانی قوم نہیں ہے، لیکن جس تمدن کی وہ وارث ہے وہ اسکا ذاتی نہیں ہے، بلکہ یورپ کا تمدن ہے جو یورپ کی تمام اقوام کی متحدہ کوشش سے پیدا ہوا جس میں دنیائے قدیم کی زندہ دلی نے روح پھونکی۔ اب ہم ہندوستانی تہذیب کے متعلق کسب اندازہ قائم کریں

میں نے بار بار کہا ہے کہ ہندوستان ایک ملک نہیں ہے، اسلئے اسکا تمدن بھی ایک نہیں ہے۔ اس تمدن میں اتنی بھی یگانگت نہیں ہے جتنی بظاہر معلوم ہوتی ہے کیونکہ برہمنیت نے اپنے مخصوص انداز جذب و ہضم سے اپنے اندر ایسے تمدنوں کو جمع کر لیا ہے جو واقعی متضاد ہیں۔ اگر ہم سطح کے نیچے بغور دیکھیں تو یہاں پر دو صاف مختلف قسم کی آبادیاں نظر آئنگی۔ ایک سفید فام اور دوسری سیاہ فام۔ دونوں قسمیں قریب قریب ہر جگہ نمایاں ہیں۔ سیاہ فام آبادی جنوب میں غالب ہے۔ بنگال میں اگرچہ اسکی تعداد سفید فام آبادی سے کم ہے لیکن تاہم اسکی ہستی نمایاں ہے۔ گنگا کی بالائی وادی میں البتہ یہ آبادی بالکل غائب ہو جاتی ہے۔ یہ امر کہ دونوں آبادیاں قریب قریب تمام ہندوستان میں آپس میں مل جل گئی ہیں اس سے ثابت ہے کہ وہاں کی کوئی مروجہ زبان سنسکرت کی بگڑی ہوئی صورت نہیں ہے۔ جسطرح کہ فرانسیسی اور اطالوی زبانیں لاطینی کی شاخیں ہیں۔ ہر ہندی زبان اگرچہ اُسکے لغات بیشتر سنسکرت ہی ہوں، اشتقاق و شکل میں غیر آرین ہے۔ لہذا ہندوستانی تمدن کے متعلق اندازہ قائم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ وہاں کے نسلی امتیاز کو بنیاد قرار دیا جائے سیاہ فام قومیں اکثر حصوں میں متمدن نہیں ہیں بلکہ وحشی ہیں۔ مسٹر بی۔ ایچ۔ ہڈسن کہتا ہے "ہندوستان کے وسیع براعظم میں تقریباً ہر جنگلی اور کوہستانی علاقہ میں لاکھوں انسان بستے ہیں جنکی حالت مادی طور پر ان جرمنوں سے مختلف نہیں ہے جنکا حال ٹیسی ٹس (Tacitus) نے بیان کیا ہے"

اب پھر ہمکو خالص ہندو اقوام اور مسلمان تارکان وطن میں امتیاز کرنا ہے۔ ہندوستان میں پانچ کروڑ سے کم مسلمان نہیں ہیں۔ اُن میں سے زیادہ تر افغانی ہیں یا پٹھان، عربی، ایرانی اور ترکمان یا تاتاری جو مختلف اوقات ہندوستان میں داخل ہوئے یا مسلمان فاتحین کیساتھ اُنکی فوجوں میں آئے۔ یہاں بھی مثل دیگر اسلامی ممالک کے انمیں ایک قسم کا قدیم تمدن اور خاص خاص منتخب خوبیاں پائی جاتی ہیں، لیکن ان سے قدامت کی بو آتی ہے، الغرض انکے خیالات وعقائد سوسائٹی کی موجودہ حالت کے مناسب نہیں ہیں

اب ہم آخر میں ہندوستان کی مخصوص آبادی کی طرف آتے ہیں۔ یہ آرین قوم ہے جو پنجاب سے سنسکرت بولتی ہوئی آئی اور خاصکر گنگا کی وادی میں پھیلی۔ لیکن سارے ہندوستان میں اپنا مخصوص دیوبانی آئین جاری کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ شاید کسی دوسری قوم نے اس سے زیادہ تمدن کی اہلیت نہیں ظاہر کی، اسکے عہد جاہلیت سے بھی جیسا کہ ویدک لٹریچر سے منعکس ہوتا ہے ارحملی اور فراست ظاہر ہوتی ہے۔ ہندوستان میں آباد ہونیکے بعد بتدریج اس نے تمدن میں ترقی کی۔ اسکے عادات و رسوم قانون بن گئے اور پھر ان قوانین کو ایک جگہ منضبط کر دیا گیا۔ اسنے تقسیم کار کا اصول منضبط کیا، اسنے نظم، فلسفہ اور مبادیات سائنس ایجاد کئے۔ اسی کے سینہ سے وہ عظیم مذہبی اصلاح پیدا ہوئی جو بدھ مت کے نام سے موسوم ہوئی اور جو آج بھی دنیا کے ممتاز مذاہب میں شمار ہوتی ہے۔ اس حد تک یہ قوم اُن برگزیدہ اقوام سے مشابہ ہے جنکی پیدا کردہ ہماری تہذیب ہے

لیکن آرین قوم نے جتنی ترقی یورپ میں کی اتنی ہندوستان میں نہیں کی۔ ہندوستان میں اُسنے تاریخ نگاری میں حد درجہ اپنی نااہلی کا ثبوت دیا۔ چنانچہ اسکے تمام حالات بالکل گمنامی میں ہیں بجز ان مواقع کے جب یونانی اور مسلمان حملہ آوروں سے اسکا مقابلہ ہوا۔ محض قیاسات کی بنا پر ہم اُن اسباب کو دریافت کر سکتے ہیں جو اسکی ترقی میں حارج ہوے۔ وہ مذہبی اصلاح چند صدیوں کے بعد نامعلوم اسباب کی بنا پر ناکام رہی، بدھ مذہب ملک سے خارج کر دیا گیا۔ اور پجاری قوم (برہمنوں) کا ظلم استوار بنیادوں پر قائم ہو گیا کوئی بڑا اور ٹھوس سیاسی نظام نہیں پیدا ہوا اور نہ شہری تمدن کا کہیں برائے نام وجود تھا۔ یہان تک کہ غیر ملکی فتوحات کا تازیانہ لگ گیا

عرصہ تک غیر ملکی محکومیت میں رہنا قومیت کی بربادی کے نہایت زبردست اسباب میں سے ہے۔ جو کچھ تھوڑے بہت واقعات ہمیں قدیم ہندؤں کی بابتہ معلوم ہیں اُن سے ہمارے اس قیاس کی تصدیق ہوتی ہے کہ کیا اثرات اُنکی شومی قسمت نے اُنکے اخلاق پر پیدا کئے۔ یونانی مصنف ارین (Arrian) ہندوستانیوں کی عادات کے متعلق لکھتا ہے "وہ نہایت بہادر ہیں شجاعت میں تمام ایشیا والوں سے بڑھے ہیں، وہ اپنی سادگی اور دیانت کیلئے مشہور ہیں، اسقدر معقول پسند ہیں کہ کبھی مقدمہ بازی کی نوبت نہیں آتی۔ وہ اتنے ایماندار ہیں کہ نہ تو اپنے دروازوں میں قفل بند کرتے ہیں اور نہ باہمی معاہدات کو درطہ تحریر میں لاتے ہیں اس میں شک نہیں کہ اس تعریف میں مبالغہ کی بو آتی ہے لیکن بقول الفنسٹن اس سے پتہ چلتا ہے کہ اُس زمانہ سے ہندوں کے خصائل میں غیر معمولی تبدیلی ہو گئی ہے۔ حقیقی خصائص کو واقعیت سے بڑھا چڑھا کر ظاہر کرنے کا نام مبالغہ ہے۔ لیکن آج ٹھیک یہی خصائص ہندؤں میں غیر فطری پیمانہ پر مفقود ہیں۔ چنانچہ زمانہ حال کے سیاح ٹھیک ان کے متضاد خصائص کے بیان کرنے میں مبالغہ کرتے ہیں۔ وہ ہندؤں کو جھوٹا، بزدل اور انتہا درجہ کا مقدمہ باز بتاتے ہین۔ لیکن یہ اختلاف واقعی ایسا ہی ہے جو عرصہ تک غیر ملکیون کی محکومی میں رہنے کے باعث قدرتاً پیدا ہوتا ہے

فی الجملہ ہندوستان میں ہم تہذیب کے تین دور پاتے ہیں۔ پہلا کوہستانی قبائل کا دور جسے عہد جاہلیت کہہ سکتے ہیں اسکے بعد اسلامی تہذیب کا دور آیا۔ تیسرا دور اس برگزیدہ قوم کی نیم مردہ اور مغلوب تہذیب کا دور تھا جو ابتداسے دنیا کے حکمران اور ترقی کرنے والے تمدن سے حیرت انگیز طریقہ پر علیحدہ رہی۔ جو کچھ اس قوم نے حاصل کیا مدت ہوی کہ حاصل کیا، اُسکی رفیع الشان رزمیہ نظمیں جنکا مقابلہ مغرب کی سب سے بڑی نظموں سے کیا جا سکتا ہے، قدیم ہیں، اگرچہ جتنا خیال کیا جاتا ہے اس سے بہت ہی کم قدیم ہیں۔ یہی حال اُسکے فلسفہ اور قواعد کا ہے۔ ملک نے زمانہ حال میں کچھ نہیں حاصل کیا اس کا مقابلہ یورپ سے کیا جا سکتا تھا اگر یورپ بھی وحشی اقوام کی یورش اور تمدن قدیم کے زوال کے بعد نشاۃ ثانیہ سے محروم رہتا اور دسوین اور تیرھویں صدی میں تاتاری حملوں سے اپنے کو محفوظ نہ رکھ سکا ہوتا، بالفرض یورپ بھی آج تک اُسی حالت میں رہتا جو دسویں صدی میں تھی، ہر وقت ایشیای حملوں کی آماجگاہ بنا رہتا، زبردست قوموں اور طاقتور ریاستوں سے محروم رہتا، اُسکی زبانیں محض روزمرہ (ورناکیولر) ہوتیں جو ادبیات کے لئے غیر مفید ہوتین، اُسکی تمام عقل و دانش ایک مردہ زبان میں محفوظ ہوتی، جسکو صرف ایک مغرور مذہبی اجارہ دار

طبقہ بقیہ لوگوں میں تقسیم کرتا، اُسکے تمام علوم صدیون کے پرانے ارسطو، ولگیٹ (Vulgate) اور فادرس (Fathers) کے مقدس صحیفے ہوتے جن میں کچھ اضافہ کرنا بغیر توضیح وتشریح ناممکن ہوتا۔ یہ ہے حالت ہندوستان کے آرین کی۔ عہد جاہلیت سے تو اسکو کوئی مشابہت نہیں ہے البتہ مغرب کی تہذیب کے دور وسطی سے اسے حیرت انگیز مشابہت ہے۔

مغربی اقوام پر رومہ کی حکومت کی مثال ایسی تھی جیسے جاہلیت پر تمدن کی حکومت ہو۔ اہل گال اور عبرانیون کے درمیان رومہ کی حیثیت ایک چراغ ہدایت کی تھی، جسکی درخشندگی کو وہ تسلیم کرتے اور اس سے اکتساب نور کرکے ممنون ہوتے۔ ہندوستان پر انگلینڈ کی حکومت گویا عہد وسطی پر عہد حاضر کی حکومت ہے۔ وہ تنویر جو ہم لاتے ہیں کم حقیقی نہیں ہے البتہ شاید کم کشش رکھتی ہے اور کم احسانمندی کے ساتھ لی جاتی ہے۔ یہ روشنی تاریکی مین چمکنے والی درخشاں روشنی نہیں ہے بلکہ اسکی مثال ایسی ہے جیسے شام کی گرم اور پرشکوہ روشنی شفق میں دن کی قدرے ٹھنڈی روشنی داخل ہو جاے

بہت سے سیاحوں کا بیان ہے کہ ایک تعلیمیافتہ ہندو باوجودیکہ وہ ہماری طاقت کو تسلیم کرتا ہے، ہماری بنائی ہوی ریلون کو استعمال بھی کرتا ہے پھر بھی ہماری عزت وتعظیم کرنا تو درکنار ہم سے نہایت ہی سچے دل سے نفرت کرتا ہے یہ بالکل قدرتی ہے ہم ہندون سے زیادہ عقلمند نہیں ہیں، ہمارا دماغ اُن سے زیادہ گران بہا اور اعلی نہیں ہے۔ ہم اُسکے سامنے، وحشیوں کی مانند، ایسے خیالات بیش کرکے جسکا اُسے وہم وگمان نہ ہو، اسکو حیرت زدہ نہیں کرسکتے۔ وہ اپنی نظموں میں سے ایسے خیالات بیش کرسکتا ہے جو ہمارے اعلی ترین خیالات کی ہمسری کرسکتے ہیں۔ ہمارے علوم میں بھی شاید بہت کم ایسے خیالات ہونگے جو اُسکے لئے بالکل جدید ہوں۔ ہم اسبات پر فخر نہیں کرسکتے کہ ہمارے پاس خیالات کا کافی ذخیرہ ہے یا ہمارے خیالات زیادہ اعلی ہیں البتہ ہمکو فخر ہے کہ ہمارے خیالات زیادہ پختہ اور کسوٹی پر کسے ہوے ہیں۔ زمانہ وسطی یا زمانہ قدیم کے تمدن کے مقابلہ میں موجودہ تمدن کو اس وجہ سے فوقیت حاصل ہے کہ اسمیں صداقت مبرہن کا زیادہ ذخیرہ ہے اور اس لئے اسکی علمی طاقت بہت ہی زیادہ ہے۔ لیکن ایک شاعر مزاج یا معرفت کوش فلسفی ہرگز صداقت مبرہن کی عظمت کا قائل نہیں ہوسکتا۔ بلکہ وہ اسکو سطحی تصور کریگا، اسکی علمی کامیابیون پر ناک بھون چڑھائیگا اور اپنے غیر محدود دور از کار قیاسات وتخیلات کی فراوانی پر وجد کریگا

ہم اہل یورپ اس امر پر بالکل متفق ہیں کہ وہ گنجینۂ صداقت جس پر مغربی تہذیب کی بنیاد ہے نہ صرف برہمنی تصوف سے بلکہ اُس روشن خیالی سے بھی جسکو قدیم سلطنت رومہ نے یورپین اقوام میں منتقل کیا، بہت زیادہ قیمتی ہے۔ لہذا ہمارا فیصلہ ہے کہ وہ صورت حالات جو اس وقت ہندوستان میں ایک فاتح قوم کے تمدن کی اشاعت سے پیدا ہے اپنی اہمیت اور دلچسپی میں اُس صورت حالات کے مساوی ہے جو رومن ایمپائر نے پیدا کی تھی۔ علاوہ ازین یہ تجربہ مساوی طور پر وسیع پیمانہ پر ہو رہا ہے۔ بالعموم ایسی سلطنت کا اندازہ اس امر سے کیا جاتا ہے کہ باشندوں کی بہبودی پر اسکے فوری اثرات کیا ہیں۔ ایک کہتا ہے کہ اس نے قدیم الایام کی خرابیان رفع کردی ہیں، دوسرا کہتا ہے اسنے نئی نئی خرابیاں پیدا کردی ہیں اس تمام بحث سے اُس مخصوص نوعیت کے کام کا پتہ چلتا ہے جو ہماری سلطنت کو کرنا پڑا ہے یعنی برہمنیت کے اندر یورپ کے تخیلات متعلق بہ کائنات کا

الخلال - اسوقت اتنا دلچسپ تجربہ کرۂ ارض کے کسی حصہ میں نہیں ہو رہا ہوگا - جب ہم خیال کرینگے کہ کسی قوم کو کوئی قابل یادگار کام انجام دینے کا موقع بہت شاذ ملتا ہے تو اس تجربہ کی ترقی سے ہماری دلچسپی بہت زیادہ بڑھ جائیگی اور ہم اُس مایوسی پر غالب آجائینگے جو قدرتاً ہم سے مطالبہ کرتی ہے کہ اس تمتمائے ہوئے ملک میں، کھلے ہوئے سورج کے نیچے اس قدر محنت و شفقت سے ہمکو کیا نفع ملتا ہے

یہاں پر یہ امر قابل لحاظ ہے کہ ہمکو اس کام میں ایک بڑی سہولت کا فائدہ حاصل ہے - یہ اُسوقت واضح ہوتی ہے جب ہم اپنی سلطنت کا مقابلہ سلطنت رومہ سے کرتے ہیں - رومہ اپنی سلطنت کے قلب میں واقع تھا اسلئے ہر وقت ہمکو چاروں طرف سے ردّ فعل کا اندیشہ لگا رہتا تھا - علاوہ بریں رومہ جملہ خطرات کیلئے کھلا ہوا تھا - برخلاف اسکے انگلینڈ اپنی سلطنت سے بالکل الگ تھلگ ہے اُسے ردفعل کا مطلق اندیشہ نہیں ہے

تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ وہ سلطنت ہی کا بھوت تھا جس نے رومہ کی آزادی کو تباہ کیا - وہ تمام شہری جمعیتیں جنھوں نے رومہ کی عظمت کی آبیاری کی تھی اور جنکا مرہون منت رومہ اپنی اُس ساری تہذیب کیلئے تھا جسے اُسنے بلاد مغرب کو منتقل کیا، چھوڑ دینا پڑیں اور رومہ کو اپنے لئے نسبتہً ایک ادنیٰ نظام اختیار کرنا پڑا جب اُسنے اپنی تہذیب منتقل کی تو یہ انحطاط پذیر تھی - سلطنت کے ایک بڑے حصہ میں خود رومہ کی زبان یونانی سے مغلوب تھی - یہاں تک کہ شہنشاہ ایم اوریلیس نے (M. Aurelius) خود اپنا meditations (تخیلات) یونانی زبان میں تصنیف کیا - رومن مذہب بجائے اپنے متبعین پیدا کرنے کے آخر میں ایک دوسرے مذہب سے مغلوب ہو گیا جو سلطنت رومہ کے ایک دور افتادہ صوبہ میں پیدا ہوا تھا - ایک زمانہ ایسا آیا جب تمام رومن خیالات و جذبات مردہ ہوگئے اور شہنشاہان رومہ شاہان مشرق کی طرح صرف تاج شاہی پہننے کے لئے رہ گئے - ہمکو اب علم ہوا ہے کہ درحقیقت یہ صورت نہیں تھی بلکہ رومن روایات و اثرات صدیوں تک یورپ کے دماغ پر مستولی رہے - لیکن یہ استیلا کچھ عرصہ تک پوشیدہ طریقہ سے قانون اور کیتھولک اصول کی شکل میں کارفرما رہا اور پھر آگے چلکر ادب و فنون کی تعمیر میں - خیال کرو وہ شہر جو یورپین تہذیب کی ماں ہے اگر بجائے اپنی شاگرد اقوام کے درمیان واقع ہونے اُنکی باہمی نزاع و ہنگامہ آرائیوں سے پریشاں ہوتے اور انکو تہذیب سکھا کر انکے ہاتھوں غیر شائستگی مول لینے کے بالکل الگ تھلگ واقع ہوتا، آزادی کے ساتھ اپنی خوشحالی سے بہرہ ور ہوتا اور خود اپنی تہذیب کو زیادہ انہماک و مستعدی سے ترقی دیتا، اپنی محکوم اقوام کی ہدایت میں پھنس نہ جاتا، تو آج یورپ کی تاریخ جدید کس قدر مختلف ہوتی

اس لحاظ سے رومن سلطنت ایک مخصوص حیثیت رکھتی تھی کیونکہ بمقابلہ مفتوحہ سلطنت کے فاتح قوت نہایت ہی حقیر تھی - گویا روشنی بجائے ایک ملک سے خارج ہونے کے ایک شہر سے خارج ہوتی تھی جو ایسی روشن قندیل نہیں تھی جس میں کافی مقدار میں روشنی جمع ہو - جمہوریت رومہ کے اندر خاصکر شہری جمعیتیں تھیں چنانچہ جب اٹلی ہی کے اندر اس جمہوریت کو وسعت دیگئی تو اسکی شکست شروع ہوگئی - لیکن جہاں فاتح قوت وسیع بنیاد پر ہوتی ہے تو فتح کی کشمکش سے اُسکی صورت

عام طور سے بدل جاتی ہے۔ فتح کیلئے جنگ لازمی ہوتی ہے اور پھر اُسکے قیام کیلئے انتظام کی۔ اور ان دونوں باتوں کے لئے جدید طرز حکومت اور مستحکم مالی حالت لازمی ہیں۔ ہندوستان میں سلطنت انگلینڈ کی سب سے بے نظیر خصوصیت یہ ہے کہ ہندوستان اور انگلینڈ کا رشتہ اتحاد بالکل ہی بے حقیقت ہے۔ بالفاظ دیگر انگلینڈ ہندوستان کے رد عمل کی زد سے باہر ہے۔ میں بیان کرچکا ہوں یہ صورت کیونکر پیدا ہوئی۔ میں نے واضح کیا ہے کہ ہم نے ہندوستان کو اس طرح حاصل کیا کہ ہمکو کوئی قیمت اسکی نہیں دینا پڑی۔ انگلینڈ اگر ایک ریاست کی حیثیت سے سلطنت مغلیہ کو تہ و بالا کرنے پر کمربستہ ہوتا تو خود اسکا نظام اسی طرح تباہ ہوجاتا جسطرح رومہ کا فتح یورپ کی سعی میں ہوگیا۔ کیونکہ اس صورت میں انگلینڈ کیلئے ازبس ضروری ہوتا کہ وہ اپنے کو ایک اعلیٰ درجہ کی فوجی سلطنت میں تبدیل کرے لیکن چونکہ سلطنت ہند چند انگریزوں نے بدامنی کے زمانہ میں وہاں کے حالات پر قابو حاصل کرکے قائم کی اور اُنسے انگلینڈ کو ورثہ میں ملی اسوجہ سے اُس کے خانگی معاملات میں زیادہ گڑبڑی نہیں ہوی۔ اسمیں شک نہیں کہ اسکی بدولت انگلینڈ کی خارجی حکمت عملی میں ایک حد تک تبدیلی پیدا ہوگئی ہے لیکن خود انگلینڈ کی اندرونی حالت میں کوئی تغیر نہیں پیدا ہوا۔ اس معنی میں ہندوستان، انگلینڈ پر اتنا ہی کم اثر انداز ہوتا ہے جتنا وہ نئی سلطنتیں جنکا حال ہی میں الحاق ہوا ہے۔ مثلاً ہنےَ ورِ (Hanover) اور ہالینڈ (Holland) اس مثال میں تمدن اعلیٰ کا اثر تمدن ادنی پر زوردار اور مسلسل پڑتا ہے لیکن یہ بات رومن یا یونانی سلطنت کو مشرق میں نہیں حاصل تھی۔ اُن صورتوں میں تمدن ادنی نے تمدن اعلیٰ کو جوں ہی اسنے اول الذکر کو اپنی سطح پر لانا چاہا فنا کردیا۔ یونانیت نے مشرق کو ڈھک لیا لیکن خود یونان کی عظمت ہمیشہ کیلیے رخصت ہوگئی۔ تمام قومیں رومن شہریت میں جوق درجوق شامل ہوئیں لیکن اصلی رومنوں کا کیا حشر ہوا۔ برخلاف اسکے انگلینڈ اس جوہر کی کمی سے جو اِس سے نکل جاتا ہے مطلق ضعیف نہیں ہوتا۔ وہ ہندوستان کو عہد وسطی سے نکال کر عہد جدید میں لانا چاہتا ہے۔ اس کام میں اسکو دقتوں اور خطروں کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن انگلینڈ کو اس بات کا مطلق اندیشہ نہیں ہے کہ ہندوستان اسکو نیچی سطح پر کھینچ لائیگا یا ایک لمحہ کیلئے اُسکی ذاتی ترقی میں حارج ہوگا۔

یہ ہے انجام لیکن ایک عرصہ تک کسی کو یقین نہیں تھا کہ اس انجام کی نوعیت یہ ہوگی۔ برطانوی ہند کی تاریخ میں دو باب نہایت دلچسپ ہیں بلکہ میرا تو خیال ہے کہ ساری دنیا کی تاریخ میں ان سے زیادہ سبق آموز کوئی باب نہیں ہوگا۔ پہلا باب ہمکو بتاتا ہے کہ کس طرح ہندوستان کی طرف سے انگلینڈ کو مضرت رسان ردعمل سے محفوظ رکھا گیا اور دوسرا یہ کہ کس طرح بہت پس وپیش کے بعد قصداً یورپین تہذیب کا بار ہندوستان کے سینہ پر ڈالا گیا۔ پہلا باب جارج سوم کے عہد نصف اول پر حاوی ہے۔ یہ زمانہ تاریخ انگلینڈ میں نہایت ہی پر آشوب اور غیر مستقل تھا کیونکہ اُسی وقت ایک طرف امریکہ ہاتھ سے گیا اور دوسری طرف ہندوستان ہاتھ آیا۔ اسمیں کلایو اور ہسٹنگز کا عہد داخل ہے، اسکے آخر میں لارڈ کارنوالس کا عہد حکومت ملتا ہے جو سنہ ۱۸۵۸ء سے شروع ہوا۔ دوسرا باب موجودہ صدی کے ابتدائی چالیس سالوں پر حاوی ہے اور

اس عہد کا ممتاز اور آخری نقطہ لارڈ ولیم بنٹنگ کی گورنر جنرلی ہے۔ کیونکہ ہندوستان میں لارڈ کارنواس اور لارڈ ولیم بنٹنگ دو ہی اعلی درجہ کی قانون ساز ہستیاں گذری ہیں جس طرح کہ کلایو کے بعد لارڈ ولزلی۔ لارڈ ہسٹنگز۔ اور لارڈ ڈلہوزی تین بڑے بڑے فاتح گذرے۔ چونکہ ہندوستان میں ہم تمدن کی رفتار ترقی پر غور کرتے ہیں یہ دو بڑی قانون ساز ہستیاں ہماری کمال توجہ کی مستحق ہیں

پہلے ہمکو دیکھنا چاہئے کہ شروع میں کس طرح ہندوستان کی جانب سے ردعمل کا خطرہ پیدا ہوا اور پھر کس طرح اسکا دفعیہ کیا گیا۔ اٹھارھویں صدی کے نشہ ونشہ کی تمام تحریرون مین وہ خوف نہایت ہی دہشتناک ہے جسکا اظہار برک نے وارن ہسٹنگز کے خلاف اپنی تقریروں میں کیا تھا۔ اسوقت انگلینڈ ہندوسیاست کے غار عمیق میں کود پڑا تھا۔ اُسوقت انگریز مسلمان نوابون کے وزیر مال یا نوابی فوجون کے سپہ سالار مقرر ہوتے تھے اور انگلینڈ میں سلطنت مغلیہ کا مال غنیمت لا لاکر بھر رہے تھے۔ اُسوقت ہمارے لئے دو خطرات تھے ایک تو یہ کہ مبادا انگریزی عادات خراب ہو جائیں کیونکہ وہ لوگ بھی جو ہندو عادات کے مداح ہیں یہ تسلیم کرینگے کہ گذشتہ صدی میں ہندوسیاست نہایت ہی ناگفتہ بہ اور مذموم تھی۔ اور دوسرا خطرہ یہ تھا کہ وہ مالدار اولوالعزم اشخاص جو ہندوستان سے لوٹ کر ایشیائی خیالات ساتھ لیکر انگریزی سیاسی زندگی میں داخل ہوتے تھے، مبادا اُسکے نظام ترکیبی کو درہم برہم کردیں۔ یہ خطرہ اسوقت خاص طور سے تھا کیونکہ اس زمانہ میں پارلیمنٹ کی بہت سی نشستین ایک طور سے فروخت ہوتی تھین۔ علاوہ ازین اس وقت حکومت کی سب سے بڑی طاقت کا ذریعہ سیادت تھی۔ لہذا یہ اندیشہ رہتا تھا کہ ممکن ہے کوئی فریق ہندوستان کی سیادت پر نہ چھاپا مار بیٹھے اور یہ دولت ایسی تھی کہ چاہے بادشاہ کو ملتی یا وِگ پارٹی (Whig) کو اسکا پانے والا قوت اعلی کا مالک ہو جاتا

اس خطرہ کا ایک نمونہ دینے کے خیال سے جو اُسوقت کے سربرآوردہ اشخاص کو لاحق تھا میں تمھارے سامنے ایک پارہ ولیم پِٹ (Pitt) کی اس تحریک سے پڑھکر سناؤنگا جو اُسنے اصلاح پارلیمنٹ کی غرض سے سنہ ۱۷۸۲ء میں پیش کی تھی۔ وہ کہتا ہے "ہمارے قوانین میں بخیال رقابت یہ قاعدہ ہے کہ کوئی غیر ملکی شخص پارلیمنٹ کے نمایندہ کو ایک ووٹ نہ دے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ غیر ملکی والیان ریاست نہ صرف ووٹ دیتے ہیں بلکہ پارلیمنٹ کی نشستین خریدتے ہیں، اور اپنے ایجنٹون کو بحیثیت نمائندہ قوم ہمارے برابر بیٹھنے کیلئے بھیجتے ہیں۔ میں جس امر کی طرف اشارہ کر رہا ہون اُسکے سمجھنے میں کسی کو دقت نہیں ہوگی۔ ہمارے درمیان راجہ تنجور اور نواب ارکاٹ کے ممبران بیٹھے ہوئے ہیں جو چھوٹے چھوٹے مشرقی مستبد حکمرانوں کے نمائندے ہیں۔ یہ بات اب عام طور سے مشہور ہے لوگ کھلے میدان اسکا تذکرہ کرتے ہیں لیکن لاپرواہی سے کوئی انکی طرف توجہ نہیں کرتا۔ ہماری بے عزتی روز روشن کی طرح نمایاں ہے۔ اب تو یہ اسقدر عام بات ہو گئی ہے کہ کسی کو اسپر مطلق حیرت نہیں ہوتی۔ اب یہ ایک معمولی بات سمجھی جاتی ہے کہ چند برطانوی رائے دہندگان نے اپنے ووٹ بے ایمانی سے رشوت لیکر غیر ملکی حکومتون کے ہاتھ فروخت کردئے یا یہ کہ ہمارے سینٹ کے بعض ممبران کسی غیر ملکی مستبد کے اختیار میں ہیں، اور یہ کہ ہمارے مبعوثین برطانوی

اوصاف حمیدہ کے نہیں بلکہ مشرق کے ذمائم اور بدکاریوں کے نمائندے ہیں

اس کشاکش کے قابل ذکر واقعات یہ ہیں، فاکس (۱۷۸۳) کے انڈیابل پر کولیشن منسٹری کی شکست، اور پٹ (۱۷۸۴) کے انڈیابل کا منظور ہونا، وارن ہسٹنگز پر مقدمہ چلایا جانا، لارڈ کارنوالس کا اسکی جگہ گورنر جنرل ہونا اور ہندوستان میں اسکا انتظامی اصلاح جاری کرنا۔ میں صرف ان واقعات کی طرف اشارہ کر رہا ہوں تاکہ انکی اہمیت کا اندازہ ہوجاے اور معلوم ہوجاے کہ اُن سے کیسے کیسے نتائج رونما ہوے۔ اگر میں تفصیل میں جاتا تو تمکو دکھا سکتا تھا کہ فاکس کے انڈیابل پر جو اسقدر شور شغب مچایا گیا اور ہسٹنگز کے خلاف جو اسقدر شدید حملے کئے گئے ان میں کس حدتک نامعقولیت تھی۔

میں اُس دوگانہ حکمت عملی پر بھی اعتراض کر سکتا تھا جو پٹ کے انڈیابل نے ہندوستان میں جاری کی لیکن اگر وسعت نظر سے دیکھا جاے تو یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ خاص خاص خطرات سے کامیابی کیساتھ نجات مل گئی اور لارڈ کارنوالس نے خراج احسانمندی اور اڈمنڈ برک نے عزت و آرام حاصل کیا۔ کیونکہ لارڈ کارنوالس کے عہد حکومت میں کمپنی کے دامن سے بداخلاقی کا دھبہ جادو کی طرح دور ہوگیا، گورنر جنرلوں کو ایک کبھی نہ فراموش کرنے والا سبق سکھا دیا گیا اور ساتھ ہی ساتھ ہندوستان کے تعلق سے جو سیاسی خطرہ تھا وہ گذر گیا

انگلینڈ نے ان زنجیروں کو جنسے اُسے مقید ہونے کا خطرہ تھا توڑ دیا۔ یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انگلینڈ جس نے اس سختی کیساتھ ہندوستان کا اثر قبول کرنے سے انکار کر دیا، ہندوستان پر اپنا اثر ڈالنے میں کہاں تک حق بجانب تھا۔ ہم اچھی طرح سے محسوس کرتے تھے کہ ہماری اور ہندوستان کی تہذیب میں زمین آسمان کا فرق تھا، ہماری تہذیب کو بحیثیت مجموعی ترجیح حاصل تھی، لیکن کیا ہمکو ہندوستانیوں سے اپنے خیالات منوانے کا کوئی حق تھا۔ ہمارا مذہب، فلسفہ، تاریخ اور سب کچھ مختلف تھا۔ کیا۔ کیا ہندوستانیوں کے ساتھ ہمارا صریح معاہدہ نہیں تھا کہ یہ تمام چیزیں ہم سرکاری طور سے اُن سے علحدہ رکھینگے۔ شروع شروع میں لوگوں کا یہی خیال تھا۔ یہ عام طور سے مسلمہ تھا کہ انگلینڈ اپنی سلطنت کیساتھ وہ کھیل نہیں کھیلیگا جو رومہ نے کھیلا تھا۔ نہیں بلکہ اسے اپنی تہذیب ایک طرف رکھکر ہندوستان پر ہندوستانی نقطہ خیال ہی سے حکومت کرنا چاہئے تھا۔ جوں جوں پہلی نسل کے اینگلو انڈینوں پر علم سنسکرت کی جدید اور موہوم دنیا کھلتی جاتی تھی ان کے اندر یہ خیال تقویت حاصل کرتا جاتا تھا۔ وہ ایک قدیم فلسفہ اور خیالی تاریخ سے مسحور ہوگئے تھے، گویا ایک طرح وہ برہمنیت میں داخل ہوگئے تھے، اور نہیں چاہتے تھے کہ اپنی مسحور مشرقی چہار دیواری کے اندر عیسائیت یا کسی اور مغربی علوم کو داخل ہونے دیں

اس لکچر میں اب اتنی گنجائش نہیں کہ اجمال سے بڑھکر میں تفصیل میں پڑوں۔ صرف اتنا اشارہ کرنا کافی ہوگا کہ کیونکر بتدریج ہم اس خیال کو چھوڑتے گئے اور بالآخر اپنے کو بحیثیت اوستادان تہذیب" اور "متمدن گر" پیش کر دیا۔ یہ تبدیلی ۱۸۱۳ء میں شروع ہوی جب کمپنی کے عہد نامہ کی تجدید کیوقت ایک رقم قدیم علوم کے احیاء اور کارآمد فنون و علوم جدید کے اجراء کے لئے منظور ہوی۔ اس قانون پر ایک تعلیمی کمیٹی ۲۰ برس تک بحث کرتی رہی کہ آیا علوم و فنون کو مشرقی نقطہ خیال سے ہمیں سمجھنا چاہئے تھا یا اپنے معتقدات کی روشنی میں

آیا ہمکو سنسکرت اور عربی کی تعلیم دینا چاہئے تھی یا انگریزی کی

روے زمین پر اس سے زیادہ اہم مسئلہ پر کبھی بحث نہیں ہوی ہوگی. ۱۸۳۵ء میں لارڈ ولیم بنٹنگ کے عہد حکومت میں یہ بحث زوروں پر تھی، اُسوقت حسن اتفاق سے ایک ایسا مشہور شخص موجود تھا جسکی وجہ سے اس قابل یادگار بحث کو بڑی آب وتاب حاصل ہوی - یہ لارڈ میکولے کی رائے، تھی جس نے کہ اس بحث کا انگریزی کے حق میں فیصلہ کیا. میکولے کی اس یادداشت میں یا سرسی - ٹرے ولین ([illegible]) کی کتاب "ہندوستان میں مسئلہ تعلیم" میں تم اس بحث کو بخوبی دیکھ سکتے ہو. تم دیکھوگے کہ اس بحث میں ایک عجیب غلطی سرزد ہوی - اس مسئلہ پر اس نقطہ نظر سے بحث ہوئی گویا ایک طرف عربی اور سنسکرت اور دوسری طرف انگریزی میں انتخاب کرنا تھا یہ تمام زبانین عام آبادی کیلئے یکسان غیر مانوس ہیں. عربی اور انگریزی تو غیر ملکی ہی تھین لیکن سنسکرت بھی ہندوٗن کیلئے وہی حیثیت رکھتی تھی جو یورپ کے باشندون کے لئے لاطینی - اسی سے تمام خاص خاص مروجہ زبانین نکلی ہیں لیکن خود یہ مردہ ہے، اور لاطینی سے زیادہ عرصہ سے مردہ ہے کیونکہ تیسری صدی قبل مسیح میں اسکا شمار مستعمل زبانوں میں نہیں تھا. سنسکرت کی نظمون، فلسفیانہ اور مذہبی کتب کے بیشتر حصہ سے بڑی تصنع اور آورد کی بو آتی ہے. ٹھیک اس طرح لاطینی زبان کی ([illegible]) اور ([illegible]) کی منظومات ہے - میکولے کو سنسکرت پر آسانی سے فتح حاصل ہوگئی کیونکہ یہان پر اسکو محض یہ ثابت کرنا تھا کہ انگریزی کی نظمین سنسکرت کی نظمون سے کسی طرح ادنی نہیں ہیں اور اول الذکر کا فلسفہ، تاریخ اور سائنس تو سنسکرت سے کہیں ترقی یافتہ ہے. لیکن سوال یہ ہوتا ہے کہ انتخاب صرف مردہ زبانون سے کیوں کیا گیا. کیا لارڈ میکولے کا خیال تھا کہ ۲۵ کروڑ اہل ایشیا کو انگریزی سکھانا آسان کام ہے؟ غالبًا نہیں بلکہ قوی گمان یہ ہے کہ اُسنے سوچا کہ محض ایک مختصر سی تعلیم یافتہ جماعت پیدا کیجاے - میرا بھی خیال ہے کہ میکولے کی کلاسکل زبانون کی تعلیم نے اُسکے اندر یقین پیدا کر دیا تھا کہ مردہ زبان تعلیم کے لئے ضروری ہے لیکن واقعی اگر ہندوستان کو روشن دماغ بنانا ہے تو یہ مقصد نہ تو سنسکرت سے حاصل ہو سکتا ہے اور نہ انگریزی سے، بلکہ اُسکی دیسی زبانوں سے جیسے ہندستانی ہندی، بنگالی وغیرہ - میکولے نے کسی مبہم خیال کی وجہ سے ان زبانون کو اس قدر نا ملائم سمجھا کہ اُنکو فلسفہ اور علوم کا ذریعہ بنانا مناسب نہین سمجھا، اگر وہ انگریزی کے مقابلہ میں ان زبانوں کے خلاف اپنے دلائل پیش کرتا تو یقینًا ناکام رہتا اگرچہ یہ عظیم غلطی ہوگی - البتہ ۱۸۵۴ء میں سر چارلس وُڈ کی تعلیمی کمیشن کی سفارشات کے بعد سے قدرے اسکی تلافی ہو چکی ہے، لیکن جس فیصلہ کی طرف لارڈ میکولے کی یادداشت نے رہنمائی کی وہ ہماری سلطنت کی تاریخ کا درخشان واقعہ ہے خصوصًا اس لحاظ سے کہ ہماری سلطنت ایک انجمن تہذیب ہے. یہ واقعہ اس زمانہ کی یاد دلاتا ہے جب ہم نے قصدًا اپنے تئین مکلف کر لیا کہ ایشیا میں ہمارے اوپر ایک ایسا فرض عائد ہو گیا جیسا روم نے یورپ میں اپنے ذمہ لیا تھا، اور یہ فرض ان تمام فرائض سے جنکی انجام دہی کسی حکومت کے سر پڑ سکتی ہے زیادہ اہم ہے

(ترجمہ)

عبدالقیوم رسا

ازدواج مکرر

(افسانہ)

(بہ سلسلۂ ماسبق)

(۴)

صفیہ کو آئے ہوئے تقریباً ایک ماہ کا زمانہ گزر چکا ہے اور اس دوران میں کوئی ایسا واقعہ ذکی اور صفیہ کی زندگی میں پیش نہیں آیا، جسے کوئی خاص اہمیت دیجائے۔ صفیہ کو گھر کے انتظام، اور اُن نسوانی مصروفیتوں سے جو شادی کے بعد ایک عورت کا محبوب ترین مشغلہ ہوجاتے ہیں، اتنی فرصت ہی نہیں ملتی کہ وہ ذکی کے ادبی و علمی انہماک پر غور کرکے اپنے آپ کو اس میں حصہ لینے کے قابل بنائے اور نہ ذکی کو تحریر و مطالعہ اس امر کی اجازت دیتے ہیں کہ بیوی سے اس موضوع پر کوئی گفتگو کرسکے

گھر کی فضا اس وقت یہ ہے کہ ذکی بظاہر اپنی جگہ مطمئن ہے کہ صفیہ تعلیم یافتہ ہو یا نہ ہو لیکن بیوی ضرور ہے اور صفیہ بھی اپنی جگہ اس خیال سے خوش ہے کہ ذکی لاکھ آزاد خیال سہی لیکن صحیح معنی میں شوہر و انسان ہے

جب صفیہ میکہ سے واپس آئی تو اُسے خیال تھا کہ شاید ذکی پھر اُس بحث کو چھیڑے گا اور ممکن ہے کہ اس کا جہل یا غیر تعلیم یافتہ ہونا پھر کس وقت ذکی کی کبیدگی کا باعث ہو، لیکن اس ایک مہینے میں ایک بار بھی ذکی نے اس کا ذکر نہیں کیا اور تمام وہ التفات جسکی توقع ایک مرد کی طرف سے عورت کو ہوسکتی ہے اسپر صرف کئے گئے، ہرچند وہ اس کو ضرور محسوس کرتی تھی کہ ذکی جب گھر میں آتا ہے تو کوئی خاص موضوع گفتگو کا اُسکے پاس نہیں ہوتا اور زیادہ حصہ یا تو خاموشی میں بسر ہوتا ہے یا پھر کتابوں کے مطالعہ میں لیکن چونکہ اس انداز میں وہ کسی نوع کی نفرت نہیں پاتی تھی اس لئے اُسے کوئی شکایت بھی نہ تھی۔ فرصت کے اوقات میں وہ اس امر کی کوشش کرتی تھی کہ اپنے اندر ادبی ذوق پیدا کرے، لیکن جہاں اُسنے کسی نظم کی کتاب یا کوئی دیوان اُٹھا کر دیکھا اور اس کو وحشت ہوئی وہ ایک مصرعہ بھی موزون نہ پڑھ سکتی تھی اور قطعاً اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ ایک شریف مرد یا عورت ایک غزل کا مطالعہ کیونکر کرسکتا ہے جبکہ اس میں اسقدر بے حجابانہ اور شرم انگیز طور پر محبت کا اظہار کیا جاتا ہے۔

اسنے بارہا الماری سے داغ وغیرہ کا دیوان نکال کر دیکھنے کی کوشش کی اور باوجود تنافر کے اسنے جبر کرکے اس کو سمجھنا بھی چاہا لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اسنے کسی شعر پر غور کیا ہو اور آخر کار اسنے منفعلانہ انداز سے اُسے بند کرکے نہ رکھدیا ہو۔ اس لئے بظاہر اس کو کوئی امید نہ تھی کہ وہ اب یہ کسی وقت اپنے ادیب و شاعر شوہر کے ذوق ادب کی ہم آہنگ ہوسکے گی بلکہ بعض اوقات وہ ذکی کے جانب سے بھی یکسر استفسار و استفہام ہوجاتی تھی کہ وہ شخص جو شاعری کا اسقدر دلدادہ ہو کیونکر اس کے چال چلن کی طرف سے اطمینان ہوسکتا ہے

ذکی کی زندگی ہرچند گھر کے اندر نہایت ہی سادہ معلوم ہوتی تھی لیکن اس کی یہی سادگی باہر جاکر "پُرکاری" میں تبدیل ہوجاتی اور اس کے وقت کا اکثر حصہ اپنے احباب کو اس امر کے یقین دلانے میں بسر ہوجاتا تھا کہ اس کی بیوی بے مثل ادیب و شاعرہ ہے۔ وہ پہلے ہی فیصلہ کرچکا تھا کہ اگر وہ خود براہ راست اپنی بیوی کی تعلیم یافتہ ہونے کے برکات و نعایم حاصل نہیں کرسکتا تو کم از کم وہ دنیا کو ضرور اس کا یقین دلاکر اپنی زندگی کو دوسروں کے نزدیک قابل رشک ثابت کریگا۔ چنانچہ وہ اب اپنے مضامین سے زیادہ اپنی بیوی ہی کے افکار نظم ونثر لوگوں کو سنایا کرتا تھا اور جس وقت داد ملتی تھی تو وہ پھولا نہیں سماتا تھا۔ انسان جب اول اول اپنے آپ کو فریب میں مبتلا کرتا ہے تو کچھ عرصہ تک اس کو اس فریب کا احساس رہتا ہے، لیکن جب طبیعت اس کے عادی ہوجاتی ہے تو پھر یہ احساس بھی محو ہوجاتا ہے اور اس کو جھوٹی مسرت و لذت بھی اصلی و واقعی سی معلوم ہونے لگتی ہے۔

بالکل یہی حال ذکی کا تھا کہ وہ اپنی بیوی کے نام سے مضامین لکھ کر لوگوں کو سناتا، رسایل میں شایع کراتا اور ان کی داد ملتی تو وہ خود بھی یہ سمجھکر کہ واقعی اس کی بیوی کے یہ کارنامے ہیں، بہت خوش ہوتا اور ایسا محسوس کرتا کہ اس وقت ساری دنیا اس کے خوش بختی پر رشک کررہی ہے۔

صفیہ ان حالات سے ابتک بالکل بے خبر تھی کیونکہ ڈاک باہرہی آتی تھی اور ذکی نے انتظام کردیا تھا کہ کوئی رسالہ خط یا اخبار اندر نہ جانے پائے۔ وہ چاہتا تھا کہ خود کسی وقت بیوی سے ذکر کرکے اس خلش کو بھی دور کردے لیکن چونکہ اس کا ضمیر اس باب میں گناہگار تھا اور صفیہ کے مزاج سے وہ خایف تھا کہ مبادا اس کو پسند نہ کرے اسلئے اس کو ہمت نہ ہوتی تھی

ایک دن صبح اسنے آرٹ پر ایک مضمون صفیہ کی طرف سے لکھا اور اس کو تمام اُن نزاکتوں اور لطافتوں سے بھردیا جنکی اس موضوع پر ایک عورت کی طرف سے توقع کیجاتی ہے۔ وہ بہت خوش تھا۔ اتنا خوش کہ بے اختیارانہ اس کو لئے ہوئے اندر چلا آیا اور اس عزم کے ساتھ کہ آج وہ صفیہ سے ذکر کرکے اس پردہ کو بھی اُٹھادیگا۔ صفیہ تمام کاموں سے فارغ ہوکر ایک رسالہ کے مطالعہ میں مصروف تھی اور ایک غزل کو موزوں پڑھنے کی کوشش کررہی تھی۔ ذکی کو آتا دیکھ کر اسنے رسالہ الٹ کر رکھدیا، لیکن ذکی نے آتے ہی فوراً رسالہ اُٹھالیا اور اپنی بیوی کے ذوق میں یہ تبدیلی دیکھ کر اس کے ارادہ میں اور تقویت پیدا ہوگئی اسنے بیٹھتے ہی پورے لطف و انبساط کے ساتھ مسکراتے ہوئے دریافت کیا۔ "کہئے اس رسالہ میں آپ کو کوئی مضمون پسند آیا یا نہیں؟"

صفیہ نے جو بہت زیادہ بے تکلف ہوگئی تھی ہنستے ہوئے جواب دیا کہ "میں تو ایک غزل کو پڑھ رہی تھی اور غور کررہی تھی کہ شاعری میں وہ کیا بات ہے جس پر آپ لوگ اس قدر سر دُھنتے ہیں میں تو اس مشغلہ کو نہایت ہی شرمناک بات سمجھتی ہوں"

اس عجیب و غریب تنقید کو سنکر ذکی ہنس پڑا اور بولا کہ "بتائیے وہ کونسی غزل ہے اور اسمیں کیا شرمناک بات ہے"

صفیہ۔ کسی ایک غزل پر کیا موقوف ہے، میں تو جب کسی شعر کو پڑھتی ہوں، یا تو وہ بالکل جھوٹ نظر آتا ہے یا بالکل فحش۔ کل میں نے کسی کتاب میں یہ شعر پڑھا:۔

چھوڑوں گا میں نہ ہات چلے آؤ ساتھ ساتھ — نازک کلائی دکھتی ہے تو آستین سہی

میں سچ کہتی ہوں کہ شرم سے پانی پانی ہوگئی۔ لاحول ولا قوة۔ آپ لوگ کیونکر ایسی بیہودہ باتوں کو پسند کرتے ہیں"
ذکی بے اختیار ہنس پڑا اور بولا کہ "بالکل صحیح ہے، میں خود بھی اس شاعری کو پسند نہیں کرتا، لیکن سب شعر ایسے تھوڑے ہی ہوتے ہیں"۔ اور صفی نے رسالہ لیکر ورق گردانی کی اور کہا کہ اچھا بتاؤ اس شعر میں کیا خرابی ہے:-

مرے صیاد سر گرداں سے اتنا کوئی کہدیتا — جہاں رُک جائے بجلی ہے وہ شاخ آشیاں میری

صفیہ "ماشاءاللہ، کیا کہنا ہے۔ بجلی بھی کہیں کسی سے رُک سکی ہے اور فرض کرو اگر وہ چٹیل میدان میں کسی جگہ رُک جائے تو وہاں شاخ آشیاں کہاں سے آئے گی۔ اس کے علاوہ صیاد سے کہنے کا کیا سبب ہے کیا شاعر کوئی چڑیا ہے جس کو صیاد گرفتار کرنا چاہتا ہے اور ایسا ہو بھی تو چڑیا کہیں خود اپنا پتہ بتا سکتی ہے۔ الغرض مجھے تو اس میں جھوٹ ہی جھوٹ نظر آتا ہے آپ بتائے اگر کوئی خاص بات اس میں ہو"
ذکی "میں خود تو کچھ نہیں بتا سکتا، مگر کوشش کرونگا کہ تم کو خود ایسی جگہ لے آؤں جہاں تم اس قسم کا کوئی اعتراض نہ کرسکو۔ اچھا یہ شعر کیسا ہے:-

دل نے دنیا نئی بنا ڈالی — اور ہمیں آجتک خبر نہ ہوئی

صفیہ "اس شعر کا پہلا حصہ بالکل جھوٹ ہے۔ دل کوئی نئی دنیا نہیں بنا سکتا۔ اس دنیا کے اندر جو دنیا بن سکتی ہے وہ اسی دُنیا کی ہوگی"
ذکی "اچھا یہ شعر کیسا ہے:-

ہے کوئی بات آج ہونے کو — جی بہت چاہتا ہے رونے کو

یہ شعر سنکر صفیہ کے جسم میں بے اختیار اک جھرجھری سی پیدا ہوگئی اور خاموش سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ چونکہ اس کے پہلے مصرعہ میں ایک نسائی اعتقاد کی جھلک موجود ہے اور دوسرے مصرعہ کی کیفیت اسپر ایک آدھ مرتبہ گزر چکی تھی اس لئے اسپر بہت اثر ہوا اور تھوڑی دیر بعد بولی کہ "وہ شعر جو انسان کو افسردہ کردے کس کام کا۔ رونے کے لئے آدمی کے پاس یونہی کیا کم اسباب موجود ہیں کہ اس میں شعر کا اضافہ کیا جائے۔ مہربانی کرکے اب کوئی شعر میرے سامنے اس طرح کا نہ پڑھیے۔ خدا جانے مجھے کیا کیا وہم پیدا ہونے لگتے ہیں" اُس کی آنکھوں میں تری جھلک آئی تھی اور اس کا چہرہ مضمحل سا معلوم ہوتا تھا"
ذکی دیر تک غور کرتا رہا اور اندر ہی اندر اس تجربہ سے بہت مسرور ہوا کیونکہ آج اسنے صفیہ کے حقیقی ذوق شعری کو معلوم کرلیا تھا اور اس کی مُردہ امیدوں میں از سر نو آثار حیات پیدا ہونے لگے تھے۔ وہ اس وقت تک یہی سمجھ رہا تھا کہ صفیہ بالکل بے حس ہے، لیکن آج اسے معلوم ہوا کہ اس کے اندر شاعری کی نہایت لطیف و پاکیزہ حس موجود ہے اور اگر اس میں کوئی تحریک پیدا ہو جائے تو پوری قوت کے ساتھ بروئے کار آسکتی ہے اسنے جرأت کرکے پھر اس مسئلہ کو اُٹھایا اور بولا "میں نے آجتک

تم سے ایک بات چھپائی ہے، لیکن اب اس کا پوشیدہ رکھنا بیکار ہے۔ خفا نہ ہو تو کہوں "

صفیہ ۔ یہ آپ نے کیا کہا میں آپ سے خفا ہو سکتی ہوں، عورت خفا ہونے کے لئے نہیں پیدا ہوئی بلکہ منانے کے لئے دنیا میں آئی ہے؟ ذکی اُس کے اس عاشقانہ کیفیت رکھنے والے فقرہ سے بیتاب ہو گیا اور بولا " تم کو غالباً وہ وقت یاد ہوگا جب تم نے مجھے خط لکھا تھا اور میں نے تمھیں تار دیکر فوراً طلب کیا تھا۔ تمھیں حیرت ہوگی کہ میں نے پھر کوئی ذکر تم سے نہیں کیا اور نہایت خاموشی کے ساتھ اتنا زمانہ بسر کر دیا

واقعہ یہ ہے کہ میری انتہائی مسرت کی صورت صرف یہی ہو سکتی تھی کہ تم شاعر ہوتیں، ادیب ہوتیں، تمھارے مضامین رسایل میں شایع ہوتے اور میں ان کی تعریف دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا، لیکن جب میں اس طرف سے مایوس ہوا تو میں نے ایک نمایشی اور غیر حقیقی مسرت پر قناعت کرنا مناسب سمجھا اور تمھاری طرف سے میں نے غزلیں، نظمیں، مضامین اور فسانے وغیرہ لکھ کر شایع کرائے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج ہندوستان کے ہر گوشہ میں تمھاری قابلیت و ذہانت کا ذکر ہو رہا ہے اور اس کثرت سے تمھارے نام تعریف کے خطوط آرہے ہیں کہ ایک بکس اُن سے بھر گیا ہے، تمھارا ادبی نام اپنے نام کی رعایت سے میں نے صفیہ ذکی رکھا ہے اور تمھیں نہیں معلوم کہ آج صفیہ ذکی کتنی شہرت و عزت کی مالک ہے "

صفیہ یہ سنکر سکتہ میں رہگئی اور ذکی کو اس طرح دیکھنے لگی گویا وہ کوئی اجنبی شخص ہے، غصہ و انفعال سے اس کا چہرہ پرنم آلود سُرخی دوڑ گئی تھی اور وہ ایسا محسوس کر رہی تھی کہ کسی بازار میں برہنہ کھڑی ہے اور لوگ اس کو دیکھ دیکھ کر قہقہہ لگا رہے ہیں۔ فرط تاثر سے اس کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور وہ ایسے غم و غصہ کے عالم میں جو کبھی انتہائی مایوسی کے عالم میں پیدا ہو جاتا ہے اس سے زیادہ نہ کہہ سکی کہ " آپ نے بڑا غضب کیا "

اب اس کا جسم تھر تھر کانپ رہا تھا، آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور ذکی جو کبھی اس نتیجہ کی توقع نہ کر سکتا تھا، حیرت و افسوس سے صفیہ کی اس حالت کا مطالعہ کر رہا تھا۔ جب کچھ دیر کے بعد صفیہ کا وہ اضطراب کم ہوا تو ذکی نے کہا کہ " یہ بات ایسی اہم تو نہ تھی کہ تمھیں اسقدر تکلیف ہوتی "

صفیہ ۔ " میں پوچھتی ہوں کہ آپ کو اس سے کیا فایدہ ہوا۔ اگر واقعی میں ویسی ہوتی جیسی آپ چاہتے ہیں تو بھی اسکا اعلان بیکار سی بات تھی چہ جائیکہ بالکل خلاف واقعہ و حقیقت لوگوں کو اس کا یقین دلائیں۔ میں نہیں سمجھتی کہ اس سے زیادہ توہین میری اور کیا ہو سکتی ہے اور اس سے زیادہ رسوائی میری اور کیا ہوگی

میں حیران ہوں کہ وہ لوگ جو اپنی بیویوں کی قابلیت و ذہانت، خوش سلیقگی و تہذیب کا اعلان کرنا پسند کرتے ہیں وہ کس نتیجہ کو سامنے رکھ کر خوش ہونا چاہتے ہیں۔ اس جذبہ کا مدعا سوائے اس کے کچھ نہیں ہو سکتا کہ دنیا اُن کی بیویوں کی طرف سے ایک خیال پسندیدگی و نمایش پیدا کرکے غائبانہ ان سے محبت کرے بے تکلف صحبتوں میں انکا ذکر کرکے غیر مہذب و ناشایستہ الفاظ سے یاد کرے اور موقعہ ہو تو خط و کتابت سے ان پر اپنی محبت کا اظہار کرکے اپنی طرف مایل کرے آپ اگر اپنی

کسی چیز پر دنیا کو مبتلائے رشک کرنا چاہتے ہیں تو اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ آپ جانتے ہیں دنیا اس کے حصول کی خواہش کریگی یا کر سکتی ہے۔ پھر جو آپ نے مجھ کو اس صورت سے دنیا پر ظاہر کیا تو کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ لوگ مجھ سے محبت کریں اظہار عشق کریں، میرے حصول کی خواہش اُن کے دلوں میں پیدا ہو اور آپ اُن کی ناکامی، نامرادی اور مایوسی کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوں۔ اگر میں واقعی ایسی ہوتی تو بھی ایک صورت تاویل کی پیدا ہو سکتی تھی، لیکن موجودہ حالت میں، آپ کا یہ جذبہ میرے نزدیک ایک غیر شریفانہ حرکت سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ (صفیہ کا غصہ بڑھتا جاتا تھا)۔ میں صرف اس وقت تک آپ کی بیوی رہسکتی ہوں جب تک آپ اس تعلق کا احترام کریں، لیکن جب آپ مجھ سے کسی ایسے امر کی توقع کرینگے جو میرے اس تعلق کی توہین کرنے والا ہے تو میں انتہائی افسوس کے ساتھ آپ سے نافرمانی کرنے کی معصیت کو تو گوارا کر لونگی، لیکن آپ کو خوش کرنے کا ثواب حاصل کرنے کی ہمت مجھ میں کبھی نہ ہوگی۔ جسوقت میں اپنی اس رسوائی کا خیال کرتی ہوں تو شرم و غیرت سے زمین میں گڑھ جانا چاہتی ہوں۔ خدا جانے لوگ کیا سمجھتے ہونگے میری غزلوں کو دیکھ کر جن میں یقیناً آپ نے نہایت ناروا جذبات کا اظہار کیا ہوگا، میرے چال چلن کی طرف سے کسقدر مشتبہ ہو گئے ہونگے اور یقیناً ایسے خطوط بھی آپ کو ملے ہونگے جو کبھی آپ مجھے نہیں دکھا سکتے اور کسے خبر ہے کہ آپ نے میری طرف سے اُن کو کیا جواب دیا ہوگا اور ان کی جسارتیں کس حد تک بڑھ گئی ہونگی

میں نے آپ کو پہلے ہی لکھ دیا تھا کہ میں قطعاً آپ کے ادبی ذوق کو پورا نہیں کر سکتی اور میں آج کہتی ہوں کہ وہ عورتیں جو اپنے شوہروں کے اس ذوق کو پورا کرنے والی ہیں وہ سب کچھ ہو سکتی ہیں لیکن بیوی نہیں بن سکتیں اور اس لئے مجھے ایک لمحہ کے لئے اس امر کے اعتراف میں شرم نہ کرنا چاہئے کہ میں جاہل ہوں، غیر تعلیم یافتہ ہوں اور جس تہذیب و تعلیم کی جستجو آپ لوگ عورتوں میں کرتے ہیں اس کو میں اپنی انتہائی توہین خیال کرتی ہوں

خدا کے لئے بتائے کہ اب آپنے کیا سوچا ہے اور مجھے اس عذاب سے کیونکر نجات دلا سکتے ہیں" ذکی اس میں شک نہیں کہ نہایت سنجیدہ انسان تھا اور مشکل ہی سے اس کو غصہ آتا تھا، لیکن اس وقت صفیہ کی اس برہمی اور سخت تنقید سے وہ اس حد تک نادم ہو گیا تھا کہ چارۂ کار بغیر اس کے نہ رہگیا تھا کہ وہ اپنی شوہریت کے اقتدار سے کام لے اور غصہ کا جواب غصہ سے دے اس نے صفیہ کی گفتگو کو دفعۃً روک دیا اور بولا کہ "مہربانی کر کے مجھے درس نہ دیجئے اور خاموش رہئے۔ جو کچھ ہو چکا ہے اس کی تلافی امکان میں نہیں ہے اور نہ اس کی ضرورت، آیندہ بھی یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہیگا۔ آپ کی اگر اس میں توہین ہے تو ہو مجھے پرواہ نہیں کیونکہ صفیہ ذکی جس کے مضامین شایع ہو رہے ہیں وہ میری دوسری بیوی کا نام ہے اور اس کے متعلق آپ کو بولنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے

....

....

گزشتہ واقعہ کو پندرہ روز ہو چکے ہیں اور اس دوران میں ذکی ایک مرتبہ بھی اندر نہیں آیا۔ سولھویں دن دوپہر کی

ڈاک سے بعض اخبار و رسایل آئے تو ان سب میں یہ اعلان اس کو نظر پڑا:۔

"نہ میں شاعر ہوں نہ ادیب"

مجھے معلوم ہوا ہے کہ کچھ عرصہ سے بعض مضامین نظم و نثر میرے نام سے نکل رہے ہیں، اور دنیا کو غلط طور پر یہ یقین دلایا جا رہا ہے کہ میں بڑی قابل و فاضل عورت ہوں، حالانکہ اس میں مطلق صحت کا شائبہ نہیں ہے۔ میں اس کو اپنی سخت توہین جانتی ہوں کہ کسی قسم کی کوئی تحریر میرے نام سے منسوب کیجائے اس حال میں کہ وہ میری نہیں ہے۔ نہ میں نے اس وقت تک کبھی کچھ لکھا اور نہ آیندہ اس کی توقع ہو سکتی ہے۔ میں بہت کم سواد معمولی پڑھی لکھی عورت ہوں اور شعر موزوں بھی نہیں پڑھ سکتی چہ جائیکہ خود تصنیف کروں۔ اس لئے میں اس تحریر کے ذریعہ سے پبلک کو آگاہ کرتی ہوں کہ آیندہ اس نام سے شایع ہونے والی تحریروں کو نہ مجھ سے منسوب کرے اور نہ مجھ سے خط و کتابت کرے صفیہ (اہلیہ مسٹر ذکی ....)

اس کے بعد ذکی اور صفیہ کے درمیان جو گفتگو ہوئی اس کی تفصیل بیکار ہے، مختصراً یوں سمجھ لیجئے کہ صفیہ کو اپنے گھر آجانا پڑا اور ذکی مجبور ہو گیا کہ اپنا غم و غصہ دور کرنے کے لئے کہیں باہر چلا جائے۔ ہرچند اس نے صفیہ کو طلاق نہیں دی تھی، لیکن جدائی بظاہر ہمیشہ کے لئے ہو گئی تھی اور دونوں اپنے مستقبل سے بے خبر حد درجہ غمزدہ زندگی بسر کرنے پر مجبور تھے۔

(باقی)

نیاز

تذکرۂ خندۂ گل

یا ظریف شاعروں کا تذکرہ

جسمیں ۳۰۰ سو سے زاید اردو، فارسی کے ظریف شاعروں کے حالات، انکے لطایف و ظرایف اور انتخابات کلام درج ہیں۔ یہ کتاب اردو میں اپنے موضوع کے لحاظ سے بالکل اچھوتی چیز ہے اور ہر صاحب ذوق کی لائبریری میں اس کا رہنا ضروری ہے تنہائی میں اس سے بہتر مونس، غمگینی میں اس سے زیادہ کامیاب ذریعہ تفریح اور اہل تحقیق کے لئے اس سے زیادہ مواد اس موضوع پر اور کہیں نہیں مل سکتا۔ حجم تقریباً ۵۰۰ صفحات۔

قیمت مع محصولڈاک للعہ ر (چار روپیہ) منیجر "نگار" لکھنؤ

آرٹ

روح کی پرواز ترقی کی طرف ہے لہذا اپنے تجربات کو کبھی دُہراتی نہیں بلکہ ہمیشہ کوشاں رہتی ہے کہ نئے اور زیادہ حسین وجمیل نقوش پیدا کرے۔ اگر عامۃ الناس کی طرح کاموں کی تقسیم اُنکے مقصد کو مدنظر رکھتے ہوئے مفید اور خوش آیند میں کیجائے تو اس قول کا اطلاق دونوں اقسام پر ہوگا۔ فنون لطیفہ کا منشا تخلیق ہے نہ کہ نقالی۔ کسی منظر کی مصوری میں صناع کی یہ کوشش ہونا چاہئے کہ اُس سے خوبصورت مرقع کھینچے جسکا ہمکو علم ہے۔ تفصیل یعنی فطرت کے تلون کو دباتا اور صرف روح اور اُسکی رعنائیاں دکھانا چاہئے۔

ہر صناع کو یاد رکھنا چاہئے کہ کوئی خاص منظر اُسکی نگاہ کے لئے سامان نشاط اس لئے مہیا کرتا ہے کہ ایسے خیال کا ترجمان ہے جسکی وہ صناع قدر کرتا ہے۔ اور قدر اس لئے کرتا ہے کہ وہی طاقت جو اُسکی آنکھوں کے ذریعہ سے دیکھ رہی ہے اُس منظر میں بھی کار فرما ہے۔ ایسا ملکہ پیدا ہو جانے پر وہ بجائے فطرت کے فطرت کے انکشافات کا دلدادہ ہو جائیگا اور اپنی تیار کردہ فرد میں صرف وہی خیال وخط نمایاں اور مرتفع کریگا جنھوں نے اُسکے دل میں خوشی کی لہر دوڑائی۔ ایک یہی صورت ہے کہ وہ نور سے کسب نور اور ظلمت سے اُسکے راز چھین سکتا ہے۔ کسی شخص کی تصویر بنانے میں اُسکے ناک نقشہ سے زیادہ اُسکی سیرت کی طرف توجہ کرنا چاہئے کیونکہ جو شخص سامنے بیٹھا ہے ایک ناقص تمثال اور دور کی شبیہ ہے اُس حوصلہ مند اصل کی جو پس پردہ ہے

تمام روحانی مصروفیت میں جو شان اختصاص وانتخاب پائی جاتی ہے وہ اسی جذبۂ تخلیق کا کرشمہ ہے۔ ایک پرتو ہے اُس الہام کا جو گہرے معانی کو سادہ الفاظ میں بیان کرنا سکھاتا ہے

انساں کیا ہے؟ خود نمائی میں فطرت کی شاندار کامیابی! انسان کیا ہے؟ ایک منظر جو زیادہ خوشنما اور زیادہ بلیغ ہے اُن مظاہر سے جو افق کی زینت ہیں۔ وہ فطرت کا نقطۂ انتخاب ہے! اسکی تقریر، اُسکا جذبۂ مصوری، اُسکی شیفتگی فطرت کیا ہے؟ ایک بلند تر کامیابی!

تھکانے والے کائے کوس، فاصلہ اور ابعاد ثلثہ کا بار گراں دور ہو گیا اور اُنکا جوہر یار کی موسیقی سے لبریز ایک لفظ یا بیل کی ایک پُرکار جنبش میں مقید کر لیا گیا!

لیکن صناع مجبور ہے کہ وہی نشانیاں استعمال کرے جو اُسکے عہد اور اُسکی قوم میں رائج ہیں تاکہ اُسکے ہم جنس اُسکا پیغام سمجھیں۔ یہی وجہ ہے کہ آرٹ میں جو کچھ جدید ہے اُسکا ماخذ قدیم ہے البتہ دور حاضر کی فطانت اپنی کبھی نہ مٹنے والی مُہر کر دیتی ہے اور ایسی دلکشی بھرتی ہے جو نا قابل اظہار ہے اور جس سے صرف متخیلہ لذت اندوز ہوتا ہے۔ صناع جسقدر اپنے عصر کے روحانی خصوصیات سے مغلوب ہوگا اور اُنھیں اپنے مخلوقات میں نمایاں کریگا اُسی قدر اُسکے کارناموں کی عظمت دیرپا ہوگی اور آنے والے نقاد دکھے

سامنے نامعلوم و ناگزیر ربانی قوتوں کے مظاہر پیش کریگا۔ کوئی شخص اس عنصر احتیاج کو اپنی محنت سے علیحدہ نہیں کرسکتا۔ اپنے دَور اور اپنے ملک کے قیود سے آزاد نہیں ہوسکتا۔ نہ کوئی ایسا نمونہ پیش کرسکتا ہے جس میں اُس عہد کی تعلیم، مذہب، اقتصادیات، روایات اور علوم و فنون کا حصہ نہو۔ چاہے اُس میں کتنی ہی اُپج ہو، چاہے کتنا ہی خودمختار و آزادہ رو ہو اُن خیالات کے نقش ونگار نہیں مٹ سکتا جن میں نشو و نما پائی۔ ایسا احتراز ہی اُس رواج کی چغلی کھائیگا جس سے بچنا چاہتا ہے۔ وہ اپنی مرضی کے خلاف اور بلا ارادہ اُس فضا سے مجبور ہے جس میں سانس لیتا ہے اُن تخیلات سے متاثر ہونا لابد ہے جو اُسکے اور اُسکے معاصرین کے مایۂ حیات وحاصل سعی ہیں۔ وہ اپنے زمانہ کے خصوصیات کا علمبردار ہوتا ہے اگرچہ واقف نہیں ہوتا کہ وہ خصوصیات کیا ہیں۔ کسی عمل کا وہ حصہ جو فطرتاً ترتیب پاتا ہے ہمیشہ اور ہر حال میں اُس حصہ سے زیادہ دلکش ہوتا ہے جس میں انفرادی ذہانت گُل کھلا رہی ہو کیونکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک دیو کا ہاتھ صناع کے قلم یا چھینی کو تاریخ نسل انسانی میں ایک سطر کے اضافہ کی رہبری کررہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مصری و ہندی و چینی مورتیں خواہ کیسی ہی بھدی اور بدشکل ہوں اہمیت رکھتی ہیں۔ اُن سے پتہ چلتا ہے کہ اُس دور خاص میں روح انسانی کی اعلیٰ ترین تحریک کیا تھی۔ وہ خیالی تصویریں نہیں ہیں بلکہ وہی گہری ضرورت جو تکوین عالم کا موجب ہوئی اُنکی بھی موجد ہے

شاید اسکے بعد یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ تمام فنون لطیفہ کی اہمیت کا راز اس میں مضمر ہے کہ وہ مکمل تاریخیں اور خوبصورت یادگاریں ہیں نقاش ازل کے ساختہ مرقع قضا و قدر کی جس کے اشارہ پر ہر شئے اپنی قسمت کی تکمیل کو منزل کی طرف قدم بڑھا رہی ہے

تاریخی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو فنون لطیفہ کا منصب ادراک حسن ہے۔ ہم بحر حسن میں غرق ہیں لیکن آنکھوں کو اُسکا جلوہ صاف نظر نہیں آتا۔ ضرورت ہے کہ اُسکے خصوصیات کو فرداً فرداً نمایاں کیا جائے تاکہ ہمارا سویا ہوا وجدان جاگ اُٹھے اور صحیح راستے پر لگایا جائے۔ جب ہم بت تراشی یا مصوری کرتے یا ان فنون کے نمونے دیکھتے ہیں تو ہماری حالت ایسے طالبعلم کی ہوتی ہے جو محض ترتیب و ساخت کی لطافتوں کا مطالعہ کرتا ہو۔ حالانکہ کمال فن تحلیل میں ہے، کسی شئی کو اُسکے پریشان کن ملحقات سے علیحدہ کرنا۔ جب تک ایک چیز دوسری چیزوں کے اشتغال سے پاک نہ کیجائے ہم اُس سے لطف اُٹھا سکتے ہیں اُسکا تصور کرسکتے ہیں لیکن اُسکا صحیح اندازہ نہیں ہوتا نہ اس نہج سے ہماری شادمانی والم کا کچھ ماحصل ہوتا ہے۔ شیرخوار بچہ اطمینان سے خاموش پڑا رہتا ہے لیکن اُسکے ذاتی کردار اور اُسکی عملی قوت کا انحصار اس طرح روزانہ ترقی کرنے میں ہے کہ ایک شئی کو دوسری شئی سے جدا کرے اور ایک وقت میں ایک ہی شئی سے سروکار رکھے۔ محبت اور دیگر جذبات کا تقاضا ہوتا ہے کہ تمام زندگی ایک ہی ذات سے وابستہ کردیجائے۔ بعض طبائع کا خاصہ ہے کہ اپنی پوری توجہ بغیر کسی استثنا کے ایک وقت میں ایک ہی شئی یا ایک ہی خیال یا ایک ہی نقطہ کے لئے وقف کرکے اُسی کو دنیا بھر کا وکیل یا مشیر بنادیتے ہیں۔ یہی لوگ صناع یا مقرر یا سوسائٹی کے پیشوا ہیں علیحدہ کرنا اور علیحدہ کرکے توسیع کی قدرت اُس طاقت لسانی کا جوہر ہے مقرر یا شاعر جسکا مالک ہوتا ہے۔ یہی طاقت یا کسی شئی کی

عارضی شوکت کو قائم کردینے کی مہارت مصور یابت تراش رنگ یا پتھر میں منتقل کردیتا ہے۔ اس قدرت کا دار ومدار اس امر پر ہے کہ صناع نے زیر غور شئی کو کتنی گہری نظر سے دیکھا۔ ہر شئی کا سلسلہ فطرت مرکزی پر مختتم ہوتا ہے اور اسکی شرح اس طرح کیجا سکتی ہے کہ وہی دنیا بن جائے لہذا طباعی کا ہر عمل ایک خاص وقت میں تنہا بلا شرکت غیرے حکمران ہوتا اور پوری توجہ اپنی طرف پھیر لیتا ہے۔ اُسوقت وہی ایک کام ہے جو قابل ذکر ہے غزل ہو یا راگ، یا کسی منظر کی تصویر یا کوئی مجسمہ، یا خطبہ، یا کسی مندر یا میدان جنگ کا نقشہ، یا کسی نئے خطۂ ارض کی تلاش میں بحری سفر۔ زیادہ وقت نہیں گزرتا کہ پہلی شئی کی طرح ایک دوسری شئی پیش پیش ہوکر مطمح نظر بنتی اور جاذب توجہ ہوتی ہے، مثلاً ایک باغ جو خوش سلیقگی سے لگایا گیا ہو۔ اُس وقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ باغ کے سوا کوئی اور کام کرنے ہی کا نہیں۔ میں آگ کو دنیا کی بہترین چیز سمجھوں اگر آب، خاک، باد سے واقف نہوں۔ ہر قدرتی شئی، حقیقی ذہانت، اور ودیعت شدہ اوصاف کو یہ حق حاصل ہے اور اُنکی سرشت ایسی ہے کہ ایک خاص وقت میں وہی دنیا کی چوٹی پر ہوں۔ ایک گلہری جو ایک شاخ سے دوسری شاخ پر کودتی اور پورے جنگل کو اپنی اُمنگ میں درخت واحد سمجھتی ہے ایک شیر سے کم جاذب نظر نہیں ہوتی۔ وہ بھی خوبصورت مکمل اور فطرت کی نائب ہے۔ ایک اچھا گیت سامعہ نواز ہوکر میرے دل کو اُسی طرح کھینچتا ہے جس طرح ایک رزمیہ نظم۔ کسی کامل فن کی بنائی ہوئی کتے کی تصویر اُسی طرح میرے ذوق کی تشنگی بجھاتی ہے جس طرح انجلو کے تیار کردہ مرقع۔ دلپذیر اشیا کے اسی تواتر سے آخرکار دنیا کی عظمت اور فطرت انسانی کے مالا مال ہونے کا سبق ملتا ہے۔ اسی کے ساتھ یہ علم بھی ہوتا ہے کہ جس بات نے مجھے پہلی چیز میں متحیر کیا اور دل کو موہ لیا وہی کیفیت دوسری چیز کے مشاہدہ سے بھی پیدا ہوئی لہذا خوبی تمام اشیا میں مشترک ہے

مصوری اور بت تراشی کا درجہ محض ابتدائی ہے۔ بہترین تصویریں اپنا آخری راز بتادیتی ہیں۔ وہ بھدے نمونے ہیں انمیں سے معدودے چند نقطوں لکیروں اور رنگوں کے جو مجتمع ہوکر ہمیشہ متغیر ہونے والے منظر حیات کا سماں دکھاتے رہتے ہیں اور جن کے درمیان ہم زندگی بسر کرتے ہیں۔ مصوری آنکھ کے لئے وہی کرتی ہے جو رقص اعضا کے لئے۔ جہاں بدن کا سادھنا آگیا، جسم میں پھرتی اور حرکات میں تناسب پیدا ہوا رقاص جانچ جانچ کر قدم رکھنا بھول جاتا ہے۔ اسی طرح مصوری رنگوں کی خوشنمائی اور خال وخط کی مناسبت کی تعلیم دیتی ہے۔ جتنی زیادہ تصویریں اور کمال فن کے نمونے دیکھنے میں آتے ہیں اُس نامتناہی ذخیرہ کا اندازہ ہوتا جاتا ہے جو مصور کے موقلم میں پنہاں ہے۔ اُسے اختیار ہے کہ بیشمار تمثالوں میں جسے چاہے اپنا موضوع بنائے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ ہر شئی کی شبیہ بنا سکتا ہے تو پھر کسی شئی کی شبیہ کیوں بنائے؟ اب میری آنکھیں کھلتی ہیں اور آنکھوں میں وہ تصویریں پھرنے لگتی ہیں جو نقاش فطرت ہر رہگزر میں بنایا کرتا ہے۔ مرد اور بچے فقیر اپنی گدڑی میں اور خوبصورت عورتیں زرق برق لباس پہنے ہوئے متحرک نظر آتے ہیں۔ کسی کے بال لمبے ہیں کسی کے گھونگھر والے کوئی سرخ و سفید ہے کوئی سیاہ فام، کسی کے چہرہ پر جھریاں ہیں کوئی بلند بالا ہے، کوئی پست قد کسی کا سینہ فراخ ہے، کسی کا تنگ، کوئی فربہ ہے کوئی لاغر، کوئی متین کوئی شوخ۔۔۔۔

پتھر کی مورتیں بھی یہی تعلیم دیتی ہیں مگر ذرا سادگی کے ساتھ۔ تصویر سے رنگوں کا پتہ چلتا ہے اور مجسمہ سے اوضاع

واطوار کا۔ جب میں کوئی عمدہ مجسمہ دیکھکر کسی مجمع عام میں داخل ہوتا ہوں تو اُس شخص کے قول کی تصدیق ہوتی ہے جو کہتا تھا کہ ہومر کی مزاولت کے بعد ہر فرد بشر دیو معلوم ہوتا ہے۔ میں بھی محسوس کرتا ہوں کہ تصویر کشی و بت سازی تحفہائے عشق ہیں تاکہ آنکھ اپنے فرائض کی باریکیاں اور سحر کاریاں دیکھے

کوئی مجسمہ چلتی پھرتی تصویروں کا مقابلہ نہیں کرسکتا، انکو پے بہ پے تغیر کی وجہ سے اصنام خیالی پر بدرجہا شرف حاصل ہے۔ کیسا عمدہ مجموعہ فن کے شاہکاروں کا ہے! کس جدت پسند صناع نے اتنی مختلف جماعتیں اور ایسی نئی نویلی تمثالیں بنائی ہیں! اے لو! صناع اپنے دل سے باتیں گڑھتا اور جتنا نیس تراش رہا ہے! بہت مصروف ہے اور بہت خوش۔ ابھی ایک خیال آیا، ابھی دوسرا، اور ہر لحظہ پوری فضا، پورا منظر، پورا اسلوب بدلتا رہتا ہے حالانکہ وہی مٹی ہے اور وہی خمیر!

لے جاؤ روغن اور تختۂ قرمز کو، سنگ مرمر اور چھینیوں کو، سب خرافات ہے! اگر ان سے دائمی آرٹ کی جادو طرازیوں کے مشاہدہ کے لئے ہماری آنکھیں نہیں کھُلتیں تو محض فیلسوفی و شعبدہ بازی ہے!

فن کے ہر نمونے کو آخر کار ایک طاقت اولیٰ سے منسوب کرنے سے اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ ان میں جو مشترکہ خوبی ہے یہ ہے کہ دنیا بھر اُن سے محفوظ ہوتی ہے اور اُن میں یہ استعداد ہے کہ ہماری سادگی ہمکو واپس دیں علاوہ بریں انمیں مذہبی شان پائی جاتی ہے کیونکہ وہ جس کمال کا آئینہ ہیں روح مطلق کا ظہور ثانی ہے۔ اُسی چشمۂ نور کی ایک دھار ہے۔ اُنکے مشاہدہ سے دل پر وہی نقوش مرتسم ہونا چاہیئے جو مناظر قدرت کے مشاہدہ سے ہوتے ہیں۔ مبارک اوقات میں فطرت ہمارے سامنے صرف ایک صورت میں ظاہر ہوتی ہے یعنی فن کمال کو پہونچا ہوا۔ یہی شان ایک صناع کے اختراعات فائقہ کی ہوتی ہے۔ وہی شخص آرٹ کا بہترین ناقد ہے جس میں سادہ جذبات اور عظیم حادثات انسانی سے متاثر ہونے کی صلاحیت مقامی واقعات اور مخصوص رجحانات پر جو تربیت کا نتیجہ ہیں فائق رہے۔ حسن دستیاب نہیں ہوسکتا چاہے اُسکی تلاش میں ہم دنیا بھر چھان ڈالیں تاوقتیکہ ہم اُسکو اپنے ساتھ لئے نہ پھریں۔ حقیقی حسن سطح کی دلکشی، خطوط کی ترتیب یا قواعد فن سے ماوراء ہے۔ وہ صناع کی تخلیق میں انسانی کردار کی جلوہ گری ہے، حیرت انگیز اظہار ہے پتھر یا قرمز یا سُریلی آواز کے ذریعہ سے ہماری فطرت کے عمیق و سادہ ترین خصوصیات کا۔ لہذا حسن کو وہی افراد سمجھ سکتے ہیں جنکی روح میں وہ خصوصیات موجود ہیں۔

یونان کے سنگین مجسموں، روما کی عمارتوں اور اُستادان فن کی تیار کردہ تصویروں میں سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ تمام دنیا اُنکا پیغام سمجھ سکتی ہے۔ تہذیب نفس، خلوص محبت، امید اُنکے پردے میں سانس لیتے ہیں۔ ہم اُنکے پاس جو کچھ لے کر جاتے ہیں وہی واپس لاتے ہیں البتہ حافظہ کے لئے خوبصورت مثالوں کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ جو سیاح وٹیکن جاتا اور مختلف کمروں سے سلسلہ در سلسلہ گزرتا ہے جن میں مجسمے، ظروف، کتبے، جھاڑ فانوس اور ہر قسم کی حسین و قیمتی اشیا آراستہ ہیں اُسکو یہ خطرہ رہتا ہے کہ اُن اصول کی سادگی کو نہ بھول جائے جن کی بدولت یہ اشیا معرض وجود میں آئیں اور یہ کہ اُنکا سرچشمہ وہی

خیالات و قوانین ہیں جو خود اُسکے سینہ میں جوش زن ہیں۔ وہ اُن یادگاروں میں ترتیبی قواعد کا مطالعہ کرتا ہے یہ نہیں یاد رہتا کہ یہ اشیا متفقہ مساعی کا نتیجہ نہیں ہیں بلکہ مختلف زمانوں اور مختلف ملکوں کے عطیے ہیں۔ ہر فرد کسی ایک صناع کی تخلیق ہے اور محنت کرتے وقت اُسے کسی دوسرے نمونہ کا شاید علم ہی نہ تھا۔ حیات اور تاہل کی زندگی شیریں و تلخ ذاتی تعلقات، دھڑکتے ہوئے دلوں، لڑنے والی آنکھوں، افلاس و احتیاج و امید و بیم کے علاوہ کوئی شبیہ پیش نظر نہ تھی۔ یہی اُس کے ملہمات ہیں اور وہی تاثرات آپ کے اور میرے دل و دماغ پر طاری کرتا ہے۔ جسقدر شدت کے ساتھ اُسنے کسی جذبہ کو خود محسوس کیا اُسی شدت کے ساتھ اُسکا کردار اُسکے کارنامہ سے ظاہر ہوگا صناع کو ساز و سامان و آلات کی بنا پر مجبور یا محدود نہ ہونا چاہئے بلکہ جہاں یہ نکتہ سمجھا کہ اپنے عمل میں اپنی روح منتقل کردے سنگ خارا بھی موم ہو جائیگا اور پورے اقتدار و رعنائی کے ساتھ ایک معقول حد تک اُسکے محسوسات کی ترجمانی کریگا۔ اُسکو حاجت نہیں کہ مروجہ و مسلمہ طرز کی پیروی کرے یا یہ دریافت کرے کہ روما و پیرس میں کیا دستور ہے اُسکا مکان، موسم، طرز معاشرت جسکو افلاس اور غیر معروف خاندان میں پیدائش نے بیک وقت ناگوارا اور پیارا بنا دیا ہے وہ لکڑی کا میلا اور بے رنگ و روغن کا شانہ جو گمنامی کے ایک گوشہ میں کسی گاؤں یا جنگل کے قریب ہے یا تنگ و تاریک مسکن جو شہر کے مفلوک الحال باشندوں کے لئے مخصوص ہے کسی روشن ماحول کی طرح اُس خیال کی جنبش کو کافی ہیں جو ہر شئی سے بلا امتیاز اُبل پڑتا ہے ؎

اُس روح کو غرض نہیں پست و بلند سے　　جو آپ کارساز ہے اور گرم کار ہے
جس جا ہے ایسی روح وہاں ہے سب اور کچھ　　ہر جا ہے ایسی رُوح اُسی کی بہار ہے

فنون لطیفہ کی ثنا و صفت میں جو کچھ بھی کہا جائے یہ ماننا پڑیگا کہ ابھی ابتدائی منزل میں ہیں۔ ہم اُس مقصد کی تعریف کرتے ہیں جو پیش نظر تھا نہ کہ نتیجہ کی وہ شخص انسانی امکانات کی تحقیر کرتا ہے جو سمجھتا ہے کہ فنون لطیفہ کی تخلیق کا بہترین زمانہ ختم ہو گیا حالانکہ جو کچھ ہوا چند لہروں سے زیادہ وقیع نہیں جو دریائے فطرت کے سطح پر اٹکھیلیاں کرتی ہوئی گزر گئیں وہ صرف اُس طوفان کا پتہ دیتی ہیں جو قعر دریا میں کروٹیں لے رہا ہے اور جسکا میلان تخلیق کی طرف ہے۔ آرٹ ابھی تکمیل کو نہیں پہونچا، اُسکو چاہئے کہ دنیا کی قوی ترین تحریکات کے دوش بدوش بڑھے اُسکا پہلو عملی و اخلاقی ہو، ضمیر سے وابستہ ہو، غریبوں اور عدم تربیت یافتہ لوگوں کو بآواز بلند دعوت صلح و امن دے۔ آرٹ کا ایک ما حصل اور ہے جو فنون لطیفہ سے بلند تر ہے، یہ فنون تو ایک ناتمام یا ضایع شدہ تحریک نفس کے ایسے بچّے ہیں جو میعاد معینہ سے قبل پیدا ہوں۔ آرٹ تخلیق کی ضرورت کا نام ہے لیکن اسکی اصل عمیم و عالمگیر ہے۔ اپاہج اور بندھے ہوئے ہاتھوں سے کام کرنا اسکو شاق ہے اور تصویروں اور مجسموں کے مماثل لولے لنگڑے کا ڈاک عفریت پیدا کرنا باعث ننگ سمجھتا ہے۔ اسکا کوئی مقصد ایسا نہیں جو انسان اور فطرت کی تخلیق سے پست ہو، آرٹ کچھ نہیں اگر انسان کے پورے مقدور کا مظہر نہیں، آرٹ کو چاہئے کہ دلوں میں خوشی کی ترنگ پیدا کردے اور تمام امتیازات و افتراقات کو مٹا دے تاکہ دیکھنے والا کُل کائنات میں وہی قدرت و تناسب و ہم آہنگی دیکھ لے

جسکا پتہ کسی صناع کی ذات میں اُسکا صنعتی عمل دیتا ہے۔ اسکا یہ اثر ہوگا کہ ویسے ہی دوسرے صنعت گر پیدا ہونگے۔

اس معنی میں ہر قابل قدر ہستی مع اپنے اقوال و افعال و اوضاع کے ایک مجسمہ ہے۔ ہر خوبصورت عورت جو اہل نظر کو اپنے حسن و جمال سے شریفانہ و غیر ملوثانہ طریقہ پر والہ و دیوانہ کردے ایک تصویر ہے۔ اور زندگی ایک نغمۂ شیریں و افسانۂ رنگیں۔

(ماخوذ) از ایمرسن

آثر لکھنوی

جنوری ۳۰ء کا نگار

جو ظفر شاہ کیلئے مخصوص ہے، مرتب ہو رہا ہے اور مضامین کی کتابت بھی شروع ہو گئی ہے لیکن اس وقت تک بہت کم مضامین موصول ہوئے ہیں اور جو آئے ہیں وہ بھی قابل ذکر نہیں اسلئے ہم نے وصولی مضامین کی تاریخ ۳۰ نومبر ۲۹ء تک بڑھا دی ہے۔ امید ہے کہ ارباب علم و قلم اِس طرف توجہ فرما کر تاریخ مقررہ تک اپنے مضامین بھیجدینگے۔

اگر اب بھی کافی مضامین موصول نہ ہوئے تو جو مضمون آجائیں گے انھیں شایع کر دیا جائیگا اور انعامی مقابلہ کی میعاد آیندہ ۶ ماہ تک اور بڑھا دیجائیگی لیکن جنوری ۳۰ء کا نگار بہرحال کم از کم ۱۰۰ صفحات پر شایع ہوگا خواہ سب کا سب ظفر کیلئے مخصوص نہ ہو۔ منیجر نگار

رسالۂ جن کا نمونہ نمبر

اخیر نومبر ۲۹ء تک طیار ہو جائیگا۔ اسلئے جن حضرات نے ابھی تک نمونہ کی درخواست نہیں بھیجی وہ فوراً روانہ کردیں۔ ورنہ پرچہ ختم ہونیکے بعد پھر نمونہ مفت نہیں ملیگا۔

رسالۂ جن اردو زبان میں بالکل نئی چیز ہوگا اور عالم ارواح، عالم خواب، مابعد الطبیعیات، قرأت افکار، مقناطیسیت، حاضرات، مسمریزم، اور تمام اُن امور و مباحث پر جو انسانی روح و دماغی ارتقا سے تعلق رکھتے ہیں، تاریخی، علمی تحقیق بحث کریگا اور اُن تجربات و واقعات کو بھی درج کریگا جو عالم رُوح کی عجوبہ زار دنیا سے واسطہ رکھتے ہیں ضخامت فی الحال ڈھائی جزو ہوگی اور قیمت عہ سالانہ۔

۶ ماہ کیلئے خریداری منظور نہ کیجائیگی۔ منیجر رسالۂ نگار لکھنؤ

باب المراسلۃ والمناظرہ

مکرمی - السلام علیکم - آپکا والانامہ لکھنؤ سے میرے پاس آیا - آپکی یاد آوری کا ممنون - آپ کا نگار بین عرصہ دو سال سے دیکھتا ہوں - آپکے ادبی مقالات کی میں بہت قدر کرتا ہوں - لیکن افسوس ہے کہ آپکی مذہبی تحقیقات میری سمجھ سے باہر ہیں - شروع میں تاویلات کر لیا کرتا تھا لیکن رفتہ رفتہ تاویلات کا دائرہ تنگ ہوتا گیا اور اب باوجود کوشش میں سمجھنے سے قاصر ہوں - پچھلے دو مہینہ کے پرچہ دیکھنے سے مجھے اطمینان ہوگیا کہ میری طرح اور اصحاب کو بھی آپکی مذہبی تحقیقات میں اعتراض ہے - اگر میرا خیال صحیح ہے تو یقیناً آپکی تصریحات مذہبی ایمانیات کی جڑ ونکو مضبوط کرنیکے بجائے متزلزل کردینگی - اسلئے میں مجبور ہوگیا کہ آپکی توجہ دلاؤں امید ہے کہ آپ میری جسارت کو معاف فرمادینگے اور اپنی تحریرات کو پھر ایک مرتبہ نظر غور سے ملاحظہ فرمادینگے افسوس ہے کہ اس زمانہ میں ایسی ہستیوں کی امید رکھنا جو اپنی غلطیوں پر مطلع ہوکر تسلیم کریں بیسود ہے - جبکہ تاویلات کا دروازہ کھلا ہوا ہے ہر معاملہ کی تاویل کیجا سکتی ہے - بلکہ جو لوگ اہل قلم ہیں وہ الفاظ اور لغات کا پردہ ڈال دیا کرتے ہیں آپ نے اپنے خط میں پرچہ ماہ اگست کے مطالعہ کی طرف ہدایت فرمائی ہے - میں نے اوسکو دیکھا لیکن افسوس ہے کہ اسکی تصریحات اب بھی تشفی بخش نہیں ہیں اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپکے مقالات مذہبی پر ایک سرسری تبصرہ کرکے میں نے جو نتیجہ نکالا ہے پیش کروں

"تو خواہ از سخنم پند گیر یا کہ ملال"

قرآن - قرآن کے نسبت آپکا نظریہ یہ ہے کہ "قرآن کو اصول فطرت ہی کے مطابق سمجھنے دیجئے اور غیر متعلق باتوں کو اوس میں شامل کرکے مذہب کی سادگی کو تباہ نکیجئے"

اصول فطرت سے آپکا کیا مطلب ہے اسکی تصریح کرنا چاہئے - غیر متعلق باتوں سے آپ نے کون باتیں مراد لیں ہیں وضاحت کی ضرورت ہے - کیا اصول فطرت وہی ہیں جنکے پابند ہوکر آپنے قرآنی آیتوں کی تفسیر کی ہے - جسکے چند نظائر ذیل میں درج کرتا ہوں۔

مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے بارے میں قرآن فرماتا ہے :-

مثل عیسی کمثل آدم خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون - آپ یوسف نجار کو اونکا باپ بتاتے ہیں - کیونکہ آپکے اصول فطرت میں بغیر باپ کے لڑکا پیدا نہیں ہوسکتا - لیکن معلوم نہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں جناب کیا ارشاد فرمادینگے - پھر افسوس ہے کہ الفاظ قرآنی اور سیاق عبارت بھی آپکا ساتھ نہیں دیتے کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کی تمثیل اور لفظ کن فیکون کا ہونا - جگہ جگہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام کے ساتھ ابن مریم فرمانا سب بیکار ہوجاتا ہے - پھر انہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بطور خرق عادت کے استحساناً ارشاد ہوتا ہے۔

واذ تخلق من الطین کھیئۃ الطیر باذنی فتنفخ فیہا فیکون طیراً باذن اللہ وتبری الاکمہ والابرص باذنی

واذ تخرج الموتی باذنی۔ لیکن جناب کے نزدیک یہ خرق عادت نہیں ہے۔ اسی طرح حضرت موسی علیہ السلام کا عصا و ید بیضا صرف ایک تعبیر کامیابی تھی۔ اس موقع کے الفاظ قرآنی ملاحظہ فرمائیے

فالقی عصاہ فاذا ھی ثعبان مبین۔ ونزع یدہ فاذا ھی بیضاء للناظرین۔ دوسری جگہ بجای ثعبان مبین کے حیۃ تسعی ارشاد ہوا ہے اور واضمم یدک الی جناحک تخرج بیضاء من غیر سوء ایۃ اخری اب ثعبان اور حیۃ تسعی کے کیا معنی ہیں۔ تخرج بیضاء من غیر سوء سے کیا مراد ہے یہ سب نظربندی ہے یا تعبیر کامیابی۔ اسی طرح دریا کا پھٹ جانا اور پانی کا مثل دیوار کے قائم ہو جانا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارہ میں قرآن زنان مصر کی زبان سے جو عجب حسن سے مرعوب ہو گئیں تھیں۔ ما ھذا بشرا ان ھذا الا ملک کریم فرماتا ہے لیکن آپ اوسکو افسانہ سمجھتے ہیں۔ یہ وہی افسانہ ہے جسکو خدا احسن القصص فرماتا ہے

نماز کے بارے میں خدا اسقدر جگہ سے زیادہ قرآن میں مختلف عنوان سے ہدایت فرماتا ہے اور اوسکو مسلمانوں پر ان الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتابا موقوتا سے فرض عین کرتا ہے۔ حتی کہ خوف جان کی حالت میں بھی وقت سے بیوقت پڑھنے کی اجازت نہیں دیتا بلکہ نماز پڑھنے کا جنگ کی حالت میں طریقہ بتاتا ہے اسی آیت سے پہلی آیتین قرآن کھول کر پڑھیئے۔ اور آپکا یہ فرمانا کہ خدا کی بتائی ہوئی عبادت، رسم و رواج یا ظاہری نقوش و حرکات کی پابند نہیں ہو سکتی، اب آپ فرماتے ہیں کہ عبادت کی غرض انقیاد امر اور اجتناب از معاصی۔ ہے صرف الفاظ کا پردہ ڈالنا ہے۔ اس سے کس کو انکار ہے لیکن یہی ظاہری حرکات و ارکان مقصود تک پہونچنے کا ذریعہ ہیں۔ اور ذریعہ مقصود سے مقدم ہوتا ہے۔ تمام دنیا جانتی ہے کہ طہارت سے مراد ظاہری پانی بہا کر اعضا کو صاف کرنا نہیں ہے۔ بلکہ اعضا کو گناہوں اور دل کو خیالات فاسدہ سے پاک کرنا مراد ہے۔ قرآن نے بھی اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ قد افلح من زکیہا لیکن باوجود اسکے ارشاد ہوتا ہے۔ اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم و ایدیکم الی المرافق وامسحوا برؤسکم وارجلکم الی الکعبین۔ یہ صرف پانی بہا کر اعضا کو پاک کرنا ہی۔ چونکہ وسیلہ ہے مقصود تک پہونچنے کا اسلئے ہدایت فرمائی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام آپسے زیادہ جانتے تھے کہ کعبہ سے مقصود توجہ الی اللہ ہے لیکن پھر بھی خود خدا سے ارکان حج کی تعلیم چاہتے ہیں۔ وارنا مناسکنا۔ اسپر احرام باندھنا۔ طواف کرنا۔ سعی کرنا وغیرہ وغیرہ تعلیم فرمایا جاتا ہے جو بجنسہ ابتک رائج ہے، اب آپکا یہ فرمانا کہ قرآن مین نماز موجودہ کی تصریح نہیں ہے یہ بھی تائید لفظی ہے۔ اور بے معنی ہے۔ بلکہ آپ جانتے ہیں کہ قرآن ایک متن متین ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا آپنے قرآن کو ایک ضابطہ کی شکل میں پیش کیا۔ اجمال کی تفصیل کی۔ یا خدا کی طرف سے خود تفصیل بتائی گئی۔ چنانچہ نماز کے بارے میں بھی حضرت جبرئیل کا آنا اور نماز کا طریقہ تعلیم فرمانا صحیح حدیثوں سے ثابت ہے۔ لیکن چونکہ آپ کے نزدیک کوئی صحیح حدیث موجود نہیں ہے ہم استدلال میں پیش نہیں کرتے صرف معقولات سے جو آپ کے نزدیک ذریعہ رشد و ہدایت کا ہے، گفتگو کرتے ہیں۔ ہر صورت میں نماز کی فرضیت نہین جاتی۔ شلاً وضو کے بارہ مین صرف یہ آیت ہے

اذا قمتم الی الصلوٰۃ الخ ۔ لیکن کس طریقہ سے عمل کیا جاوے قرآن ساکت ہے نماز میں صرف اوقات نماز اور ارکان کے الفاظ مثلاً رکوع و سجود و قیام و قعود کو بتایا ہے لیکن نہ کوئی خاص تعیین وقت کی ہے نہ تعداد رکعت کی نہ طریقہ ادا کی ۔ اسی طرح حج کو فرض کرتے ہوئے کوئی خاص طریقہ حج کا بیان نہیں کیا صرف ارکان مثلاً احرام ۔ طواف ۔ سعی وغیرہ بتائی ہیں روزہ میں صرف ایکماہ کا روزہ اور تعیین وقت ہے زکواۃ میں صرف مصرف زکوۃ ۔ کیا اس مجمل بیان کی وجہ سے آپ اُن سب باتوں کی فرضیت سے انکار کر دینگے ۔ اور اسکو نظام قومی اور سوسائٹی کا فرض بتا کے ختم کر دینگے ، ظاہر ہے کہ اگر قرآن میں ہر ایک بات کی تصریح اور تفصیل کیجاتی تو معلوم نہیں کتنے دفتر طیار ہو جاتے ۔ اسلئے کہیں تفصیل کر دی کہیں اشارہ کر دیا ۔ اسکے ساتھ مسلمانوں کو رسول کی اطاعت فرض کر دی ۔ چنانچہ ملاحظہ ہو آیات قرآنی ۔ وما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا و من یطع الرسول فقد اطاع اللہ ۔ و قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ۔ ولکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ ۔ اس صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قرآن کے اجمال کی تفصیل کی ہے وہ بھی دراصل قرآنی ہے ۔ کیا اس صورت میں آپ احادیث میں جو قرآنی تفسیر یا تشریح ہے اوسکو غیر متعلق باتوں میں شامل کرکے اوسکی اہمیت کو کم کر دینگے

میرے نزدیک قرآن کی تفسیر کے بارے میں یہ نظریہ ہونا چاہئے کہ

۱ ۔ قرآن کے مطالعہ و فہم کا وہ طریقہ ہو جو تمام تر قرآن پر مبنی ہو ۲ ۔ قرآن میں باہر کے اثرات کو دخل نہو مثلاً منطق فلسفہ سائنس ۔ بنی اسرائیلیات ۔ ۳ ۔ عربی لغتہ کے صاف اور معروف معانی ۔ ۴ ۔ عربی بول چال کے بے تکلف اور سادہ محاورات ۵ ۔ صدر اول کا بے لاگ ذوق فہم ۔ ۶ ۔ اور رسول اللہ کا فطری اور غیر صناعی اسلوب بیان کیونکہ انبیاء کرام کی تعلیم کا مقصود بحث و نظر نہیں ہوتا بلکہ تلقین اور یقین پیدا کرنا ہوتا ہے ۔ قرآن نے خود جا بجا اپنے نام گنائے ہیں وہ کہتا ہے کہ میں موعظتہ ہوں ۔ ذی الذکر ہوں ۔ تبیاناً لکل شئے ہوں ۔ تذکرہ ہوں ۔ ھدی و رحمۃ ہوں اور یہ ظاہر ہے کہ جو بات موعظت ہو تذکیر ہو ۔ نصیحت ہو ہدایت ہو ۔ روح و دل کے روگوں کی شفا ہو وہ تاویلات کا بے پایاں دفتر نہیں ہو سکتا ۔ نہ منطق و فلسفہ کا اکھاڑہ ۔ خود امام رازی جنھوں نے تفسیر اسی رنگ میں لکھی تسلیم کرتے ہیں کہ لقد تاملت الطرق الکلامیہ و المناھج الفلسفیہ فما رایتھا تشفی علیلا ۔ و رایت اقرب الطریق طریقۃ القران کیا مصیبت ہے کہ قرآن عربی زبان میں عرب میں نازل ہوتا ہے ۔ تمام فصحا، قریش اوسکی فصاحت کے آگے سربسجود ہو جاتے ہیں ۔ لیکن آج تیرہ سو برس کے بعد ایک شخص فتحپور میں پیدا ہوتے ہیں جو قرآن کو مجموعہ تاویلات اور معقولات کا ظاہر کرتے ہیں ۔

حدیث ۔ کے متعلق آپکا نظریہ یہ ہے کہ بخاری جو اصح کتاب بعد قرآن ہے گیارہ سو برس سے مانی جاتی ہے آپ اوسکو ترک اسلام کا مرادف بتلاتے ہیں استدلال یہ پیش کرتے ہیں کہ دو سو برس کے بعد حدیث کی کتابیں تصنیف ہوئیں جب تحقیق کے دروازہ مسدود ہو چکے تھے اسلئے ناقابل اعتبار ہیں ۔ گویا امام بخاری کی سولہ برس کی جانکاہی آپنے نوک قلم سے عبث اور بیکار ثابت کر دی ۔ بلکہ جناب علامہ سید مقبول احمد صاحب تو کسی حدیث کی کتاب کو ہضم نکر سکے مجبوراً اونکو تقے کرنا پڑی ۔ غنایہ

انکو معلوم نہیں کہ غذا معدہ کی قوت، صلاحیت اور مناسبت سے ہضم ہوتی ہے۔ قرآن کا تو خود دعوی ہے کہ بعض قلوب جن کی دلیں روگ ہے اس سے گمراہ ہوجاتے ہیں۔ کا کلمہ تو لوگ ہضم نکرسکے قتل اور جلا وطن ہونا منظور کیا۔ آفتاب کی روشنی بھی کمزور آنکھوں کو پسند نہیں آتی۔ پانی کی خاصیت طبعی سبزہ کو اوگاتی ہے لیکن بعض زمینوں مین روئیدگی بھی پیدا نہیں ہوتی پھر انکو اگر حدیث کی کتابیں ہضم نہ ہوسکیں تو کیا تعجب ہے معلوم نہیں کہ امام ابو حنیفہ رح جو پہلی صدی میں ہوئے تھے اونکے مسایند کیوں نا قابل قبول ہیں۔ اکثر احادیث مختلف طریق سے روایت کی گئیں ہیں تو کیا قدر مشترک بھی صحیح نہیں ہوسکتا اب جبکہ تمام احادیث کی کتابیں بقول سید مقبول احمد صاحب مجموعہ اکاذیب اور بقول آپکے ترک اسلام کے مرادف ثابت ہوگئیں اور اوسپر جناب نے ایک کلیہ بھی ارشاد فرمادیا کہ یہ کہنا "حدیث میں یہ آیا ہے بے معنی طریقہ رشد و ہدایت کا ہے" پھر اگست کے پرچہ میں ارشاد فرمانا کہ وحی کی دو قسمیں ہیں ایک متلو دوسری غیر متلو ایک بے معنی جملہ ہے یا مغالطہ اسواسطے کہ جب غیر متلو کا وجود ہی نہیں ہے تو اوسپر بحث کرنا بیفایدہ یا حوالہ دیا ہوتا کہ فلاں کتاب کی حدیث یا کم از کم فلاں فلاں حدیث قابل استدلال اور صحیح ہے۔ معلوم نہیں کہ خدا کے اس حکم کی تعمیل کہ لکم فی رسول اللہ اسوۃ الحسنہ کیسے ہوسکتی ہے جبکہ اسوہ حسنہ کا پتا نہیں۔

فقہ ۔ فقہ کے نسبت آپ فرماتے ہیں کہ دفتر بے پایاں ہے۔ اور بغیر سوچے سمجھے عرب میں بیٹھکر تمام دنیا کی قسمت کا فیصلہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کردیا گیا کیسے ممکن ہے کہ تمام دنیا کے لئے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کافی ہو جبکہ تمام دنیا کا تمدن اور تہذیب طرز معاشرت رسم و رواج میں مختلف ہونا یقینی ہے۔ یہ نظریہ ہے جناب کا معلوم نہیں کہ قرآن کو اس کلیہ سے کیوں مستثنی فرماتے ہیں۔ حالانکہ اوسکے بارے میں جناب ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ کافر مومن ہر شخص کے لئے ہر ملک کے لئے قیامت تک کے لئے کافی ہے آپ جانتے ہیں کہ ان محدثین اور فقہائے اخلاص اور محبت کے ساتھ نہایت جانفشانی سے اپنی تمام عمر صرف اسکے لئے وقف کردی تھی۔ محض حدیث کی صحت کے لئے ایک خاص فن معرفت الرجال کا نکالا۔ ہر راوی کی تحقیق نہایت غیر طرفداری سے کی۔ کھرے کھوٹے کو علیحدہ کردیا۔ اسی اعتبار سے احادیث کی قسمیں کیں ان قسموں کے اعتبار سے احکام کی تفریق کی۔ یہ ممکن او بہت ممکن ہے کے باوجود ان کوششوں کے کہیں غلطی واقع ہوگئی ہو۔ پھر اگر باقتضاء بشریت کہیں غلطی واقع ہوگئی ہو اور میں کہتا ہوں کہ ضرور رہ گئی پھر بھی وہ اصحاب اور اونکے کارنامے موجب تحسین ہیں نہ سبب نفریں لیکن اگر یہ کوششیں بھی جناب کے نزدیک قابل اعتبار نہیں ہیں تو پھر دنیا کی تاریخ سب بیکار ہوجائیگی جس نے محض خیالی بنیاد قائم کی ہے۔ پھر تمام دنیا جانتی ہے کہ ایک معمولی گھر کا انتظام بھی بغیر قاعدہ اور قانون اور اجماعی حالت کے چل نہیں سکتا۔ سلطنت کے کاروبار چلانے کیلئے بھی ایک قانون اور اوسپر اجتماعی طور سے پابند ہونیکی ضرورت ہے لیکن آپ تمام دنیا کے مسلمانوں کو دعوت دیتے ہیں کہ انفرادی حالت میں ہر شخص کو چاہئے کہ جسکی جو سمجھ میں آوے کرے۔ حالانکہ جب تمام دفتر فقہا کا بیکار ہوگیا تو انفرادی حالت میں سب کا ایک مرکز پر جمع ہوجانا کیسے ممکن ہے۔ بہرحال جنکی تعداد نی ہزار نو سو ننانوے ہے کس قانون کے مطابق چلیں

کیا آپ بتا سکتے ہیں کے ہندوستان میں آپ جیسے علامہ کتنے ہیں جنھوں نے چھ برس کی عمر میں فارسی درسیات سے فراغت حاصل کی ہو۔ کتنے ہیں جو چودہ برس کی عمر میں فضیلت کی دستار کے مالک بنگئے ہوں۔ ان بیچاروں کے لئے کیا ہدایت ہے۔

تقلید - اسکو آپ لعنت فرماتے ہیں۔ اسواسطے کہ ہر شخص کا پیدایشی حق آزادی ہے کوئی وجہ نہیں کے اوسکو پابند بنایا جاوے بیشک ہر شخص محکوم ہونا لعنت سمجھتا ہے۔ غلامی کی زندگی کو موت سے بدتر سب سمجھتے ہیں۔ ذلیل رہنا کس کو گوارا ہے۔ لیکن مجبوراً سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک جوان عقل و سمجھ کا انسان ایک طفل صغیر ناسمجھ کی تقلید پر مجبور ہے۔ مریض ایک غیر مہذب ڈاکٹر کے آگے سر تسلیم خم کر دیتا ہے محض اسوجہ سے کے نابینا یہ سمجھتا ہے کہ راستہ کا علم اسکو ہے اسی طرح مریض سمجھتا ہے کے اسنے پانچ سال اس فن کو لاہور یا لکھنؤ کالج میں حاصل کیا ہے۔ اعلی ادنی کو جذب کر لیتا ہے۔

گر تو سلطاں نہ رعیت باش چو نبی نیستی زامت باش

جو جواب اسکے بارے میں آپ دیں وہی ہماری طرف سے قبول فرمائیے۔ اور پھر جاہلو نکے بارہ میں آپ کیا ہدایت فرماوینگے۔ کیا اونکو بھی اجازت ہے کہ ہر کہ آید در دولت بے خوف کن۔ ضیاءالدین احمد خانصاحب کی طرح کسکو کسکو نگار کے مطالعہ کی ہدایت فرماوینگے

ہم بھی چاہتے ہیں کے یہ قلادہ گردن سے اوتار کے پھینکدیں لیکن ہماری سمجھ میں ابتک کوئی صورت نہیں آئی۔ میں آپکا بڑا ممنون ہونگا اگر آپ تقلید سے میری گردن چھوڑا دیں۔ سب سے پہلی بات جو اسمیں سنگ راہ ہے وہ حدیثوں کی تحقیق اور اوسکے رواۃ کی جانچ ہے۔ فقہا اور محدثین کے اجتہاد کو علیحدہ کر کے کوئی صورت بتائیے۔ جبتک براہ راست حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثین نہ ملیں تقلید کرنا پڑیگی۔ آج تیرہ سو برس کے بعد اسبات کے یقین کرنیکی کون صورت ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے یہ حسن ہے۔ یہ مرفوع ہے یہ مرسل ہے

آپ فرماتے ہیں کہ یہ ایسا زبردست ترقی کا زمانہ آیا ہے کہ اب منقولات کی بسر کام نہیں دیسکتی اور حفاظت کی صورت اگر کوئی ہے

تو صرف معقولات

اسکے متعلق مجھے صرف یہ عرض کرنا ہے کہ زبردست ترقی کے زمانہ سے آپکی کیا مراد ہے۔ کس چیز میں زبردست ترقی ہے۔ علم و حکمت میں۔ الحاد و زندقہ میں دولت و ثروت میں بے دینی اور لامذہبی میں۔ اگر علم و حکمت مقصود ہے تو کس علم کی طرف جنابنے اشارہ فرمایا ہے۔ فلسفہ۔ حکمت سائنس۔ منطق۔ انگریزی۔ فارسی۔ عربی۔ ظاہر ہے کہ چونکہ قرآن فصیح زبان عربی میں نازل ہوا ہے اس لئے قرآن کا سمجھنا بغیر عربی کے ممکن نہیں اور ابتک کوئی آلہ ایسا ایجاد نہیں ہوا جسکے ذریعہ سے ایک علم کے پڑھنے سے تمام دوسرے علوم پر دستگاہ اور عبور ہو جاے۔ کیا آپ اسبات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ہر شخص طب کی کتابونکا ترجمہ دیکھکر ایک طبیب حاذق ہو سکتا ہے۔ یا قانونی کتابونکے ترجمہ سے دفعات کے مطالب حل کر سکتا ہے اگر نہیں ہو سکتا تو پھر کیسے ممکن ہے کہ بغیر عربی کی دستگاہ کامل رکھے ہوے قرآن کے مطالب حل کر سکے۔ اور قرآن کے مطالب حل کرنیکے لئے کن کن علوم کی ضرورت ہے اور اون علوم سے ہندوستانکے کالجوں میں کتنے طالب علم ماہر ہیں۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اس زبردست ترقی کے زمانہ میں کتنے ابوحنیفہ ہیں کتنے شافعی ہیں کتنے بخاری

یا مسلم ہیں کتنے بایزید اور جنید و شبلی ہیں کتنے غزالی اور رازی ہیں۔ بریلی اور دیوبند کی بارگاہیں تو بند ہوگئیں کسی کالج ہی کی بارگاہ کا پتہ بتا دیجئے جہاں ان علوم کی تعلیم ہوتی ہو۔ اگر انہیں سے کچھ نہیں ہے تو بے معنی الفاظ سے جملہ مرکب کرنا سوائے مغالطہ دینے کے اور کیا فائدہ ہے

اب ہی سائنس اسکا تمام تر مدار تجربہ اور مشاہدہ پر ہونیکے باوجود کیا آپکو معلوم نہیں کہ روزانہ اسکے اصول بدلتے رہتے ہیں کیا سائنس کی مطابقت قران سے کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ جب سائنس کا اصول بدلجائے تو قرآن کے احکام پھر غلط ہو جائیں۔ افسوس طوالت مانع ہے ورنہ علمائے سائنس کے اصول ہم آپکے سامنے رکھتے اور دریافت کرتے کہ اب اُنکی کیا حالت ہے۔ رہگیا فلسفہ و حکمت اسکے اصول خود ظنی ہیں پھر ظن کو یقین سے بدلنا آپ جیسے علامہ کا نظریہ ہو سکتا ہے علاوہ اسکے کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ انبیاء کرام فلسفہ اور حکمت کی تعلیم دینے کے لئے آئے تھے۔ اگر انبیاء کرام اپنے طریق تعلیم میں فلسفہ اور حکمت کا طریقہ اختیار کرتے تو ظاہر ہے کہ انکا خطاب عام نوع بشر سے نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ بجز چند افراد کے جنھوں نے علوم وضعیہ کا طریقہ سیکھا ہے نہ سمجھ سکتے ہیں نہ مکلف ہو سکتے ہیں۔ یادہ ایمان کی براہ راست دعوت دینے کے بجائے مدرسوں میں تعلیم دلواتے پھر اون سے بحث وجدل کرکے قایل کرکے ماننے کے لئے مجبور کرتے۔ لیکن پھر بھی اس نام نہاد فتح و شکست سے سچائی کا فیصلہ کس طرح ہو سکتا تھا۔ قرآن اور سنت پر تدبر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اور اس قسم کے تمام طریق حصول مقصد کے لئے سودمند نہیں ہیں بلکہ ہدایت اور یقین کی راہوں سے دور کر دینے والے ہیں۔

اب یہ بات کہ خلاف عقل باتوں کو اس طرح باور کرانا کہ حدیث میں ایسا آیا ہے بے معنی صورت رشد و ہدایت کی ہے، معلوم نہیں کہ جناب نے عقل کا معیار کیا قرار دیا ہے علم کی کمی بیشی کا اثر عقل پر پڑ سکتا ہے یا نہیں اگر پڑ سکتا ہے تو سب لوگوں کا ایک مرکز پر جمع ہو جانا کیسے ممکن ہے ہیئت اجتماعی کیسے پیدا ہو سکتی ہے۔ بڑے بڑے عقلمندوں نے عقل دوڑائی اور عجائب و غرائب قدرت کے کارخانوں کو دیکھ کر اور سوچ سوچ کر جان لڑائی اور کچھ نہ جانا اور جو جانا غلط جانا کیونکہ اگر عقل کی رو سے جاننا چاہے تو ہزارہا امور ایسے ہیں جو دھوکا دیتے ہیں اور صحیح راستہ اور منزل حق تک نہیں پہونچنے دیتے۔ جب مشاہدہ اور تجربہ ہمیشہ دہوکا دیتے ہیں تو عقل کیسے رہنمائی کر سکتی ہے۔ جو صرف ایک ظنی علم ہے۔ مجبوراً بڑے بڑے سائنس دانوں کو ماننا پڑا کہ وہ دھوکے میں ہیں چنانچہ اڈررڈ کلاڈ کہتا ہے کہ "بیسویں صدی کے انکشافات گزشتہ صدی کی تحقیقات سے بازی لیجائینگے لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ہم جسقدر عقل میں ترقی کر رہے ہیں اوسیقدر اسرار کائنات پیچیدہ ہوتے جاتے ہیں"۔ مسٹر براٹ اسپنسر جسکو مسائل سائنس کو فلسفیانہ رنگ میں بیان کرنے میں ید طولی حاصل تھا اپنی مشہور کتاب اصول اولیہ میں بیان کرتا ہے کہ "عقل انسانی علم حقیقی کے حصول سے عاجز ہے" یوشین صاحب لکھتے ہیں کہ "خدا تعالی نے بے شک اس بات کے دکھانیکو کہ انسان اگر مطلق اپنی عقل پر چھوڑ دیا جاوے تو اوسکا ہی روپ ہو جاتا ہے جو اہل مصر کا تھا جنھوں نے عقل انسانی کو اعلی درجہ پر پہونچا دیا تھا اور پھر ایسی نفرت انگیز بیہودہ بت پرستی میں پھنسے کہ لوگوں کا تماشہ گاہ بنے۔ یونان کی بھی یہی حالت ہوی۔ افلاطون

سنے صحیفہ قدرت سے بعد غور کامل چند اصول لکھے تھے افسوس ہے کہ وہ خود بھی نہ برقائم نہ رہ سکا۔ اسلئے ایسی فطرت عالیہ کا وجود ایت کے لئے ضرور ہے جو حق کو باطل سے تمیز کرکے بتا سکے اور تمام خلق کو اصلی راہ دکھا سکے جو آیندہ نسلوں کے لئے مشعل ہدایت" ہو رو پین علماء کے نتائج تحقیقات ہمنے اسلئے پیش کئے کہ آپنے انھیں سے مرعوب ہوکر عقل کو معیار الہیات کے حاصل کرنے کا قرار یا ہے۔ حالانکہ یہ وہی آواز بازگشت ہے جسکو معمولی درجہ کے اسلامی شعرانے کئی سو برس پہلے ملک کے سامنے پیش کیا تھا۔ چنانچہ افظ شیرازی اپنی مستانہ ادا میں فرماتے ہیں کہ

حدیث مطرب و می گو و راز دہر کمتر جو   کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمارا

نظامی گنجوی فرماتے ہیں

پسندس بسے جو یداز راز شاں   نداند کہ چوں کردی آغاز شاں   خرد تا بد و مر نتا بد ترا   کہ تاب خرد بر نتا بد ترا

یرہ وغیرہ۔ حیرت اور سخت حیرت ہے کہ جو لوگ علم الادیان میں دریدہ دہن نظر آتے ہیں وہی علم الابدان مین دہن بستہ ہوجاتے یں۔ کیا وجہ ہے کہ ایک بزرگ کا کہنا جسنے اوس علم کے حاصل کرنے میں اپنی تمام عمر صرف کی ہو۔ بدترین صورت رشد وہدایت کی مجھی جاے اور دوسرا شخص جسنے صرف چار پانچ سال ایک فن کو حاصل کیا ہو بڑے بڑے عقلا کی زبان بند کردے۔ ہم یہ نہیں تے کہ مذہب کی باتیں عقل و سمجھ سے باہر ہیں لیکن ہر شخص کی سمجھ ایک مرکز پر جمع ہو جاے اور ایک ہی قسم کا نتیجہ نکالے اصولاً غلط ہے۔ یہ سچ ہے کہ قانون قدرت پر غور و فکر کرنے سے ایسی باتونکو جو انسان کی طبیعت کو دھوکا ندین دریافت کرسکتے ہیں مگر کب جبکہ انسان کے معلومات کو ایک کافی ترقی اور قوانین قدرت پر اور اُن مختلف قوی کے اسرار پر جو اوسکے بانی نے اوسمیں رکھیں یں ایک معتد بہ آگاہی بھی حاصل ہو پھر تمام انسان اون دقایق پر نہیں پہونچ سکتے اور بالفرض جو پہونچ بھی سکتے ہیں وہ معدودے چند کے سوا نہیں ہوسکتے اور وہ بھی نہ اپنی عمر میں بلکہ پشتوں در پشتوں اور صدیوں در صدیوں میں۔ پس اسلئے کہ اوس قادر مطلق کی حکمت بیکار نہ رہے ضرور ہوا کہ وقتاً فوقتاً ملک اور زمانہ کے لحاظ سے ایسے ہادی پیدا کئے جائیں جو باعتبار اپنی فطرت کے سچے اخلاق کے بیان کا مخزن ہوں اور لوگونکو دھوکا کھانے سے بچادیں اور اس راہ کی تکمیل فرمادیں۔ انھیں کو اصطلاح شرع میں نبی رسول اور پیغمبر کہتے ہیں اور چونکہ ہر وقت اور ہر زمانہ میں ایسے ہادی نہیں رہ سکتے اسلئے یہ بھی ضرور ہوا کہ وہ اصول زریں اور سچے اخلاق جو نبی اور رسول نے بتائے ہیں اپنی اصلی حالت پر قائم رہیں اور ایک ایسی قوم انکی جانشین ہو جو دوسروں کو پہونچا دے۔ نبی کی کامیابی اور اوس کی سرگرمی صرف اسبات میں ہے کہ اوسکے افعال اور احکام ممد بقا ہوں نہ ممد فنا۔ اور اپنی اصلی حالت پر باقی رہیں۔ لیکن اگر آپکے نظریہ کے مطابق دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ نبی سے جو سنا اوسکو غلط کرکے دوسرونکو پہونچایا اور جنکو پہونچایا انھوں نے غلط نتیجہ نکالکر ایک مجموعہ اغلاط ملک کے سامنے پیش کیا۔

کیف یجوز لاحد من المسلمین ان یتکلم بمثل ھذا و یبدل کلام اللہ من تلقاء نفسہ و یحی نہ عن موضعہ سبحانک ھذا بہتان عظیم۔ کیا حضرت امام ابوحنیفہ یا امام شافعی رحمہ اس قسم کے لوگ تھے۔ ذرا مولانا شبلی کی

سیرۃ النعمان اوٹھا کر دیکھئے تو آپکو معلوم ہوگا کہ حدیث میں انکی نظر کسقدر وسیع تھی اصول روایت جسپر آپ بہت زور دیتے ہیں وہ انھیں کی ایجاد ہیں پھر تدوین فقہ کے لئے انھوں نے اپنے خاص شاگردوں میں چالیس آدمی منتخب کئے تھے مسائل کا استنباط زیادہ تر قرآن سے کرتے تھے بمجبوری صحیح حدیثوں سے مدد لیتے ہیں۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ تمام خلق امام ابو حنیفہ کی فقہ میں عیاں ہیں۔ تقلید کو آپ لعنت کہتے ہیں۔ حالانکہ اجلہ علما مثلاً امام غزالی جنکے آگے آج بھی مشاہیر یورپ سر جھکانے کو تیار ہیں امام شافعی کی تقلید پر فخر کرتے تھے۔ صوفیائے کرام بھی تقلید کرنیکے لئے مجبور ہوے خود حضرت سیدنا و مولانا عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ حضرت امام حنبلؒ کے مقلد تھے۔ علما کے نسبت جناب کا نظریہ یہ ہے کہ اس جماعت کے اکثر افراد اپنے علم کے لحاظ سے اس قدر جاہل۔ مذہب کی حیثیت سے اس درجہ نا مسلمان اور اخلاق کے لحاظ سے اتنے منافق ہوتے ہیں کہ اگر اسلام کا معیار صرف انکی ذات کو قرار دیا جاوے تو پھر معیار کفر و نا مسلمانی قائم کرنے کیلئے کوئی اور ہستی نہیں مل سکتی"۔ جزاک اللہ اسکے بارہ میں ہمکو زیادہ لکھنا نہیں کیونکہ ہم علما کی طرف سے وکالت کرنا نہیں چاہتے اسکے متعلق صرف اسقدر عرض کرنا ہے کہ چونکہ آپنے اکثر کا لفظ استعمال کیا ہے اوس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کے اب بھی کچھ علما ہیں جنکو صحیح معنوں میں عالم اور انکی ذات کو معیار کفر و نا مسلمانی قائم کرنیکے لئے پیش کیا جاسکتا ہے کیا براہ مہربانی جناب مطلع فرما دینگے کہ یہ کس علم کے حاصل کرنے سے آپکے نزدیک بھی مسلم الثبوت مانے گئے۔ وہی بخاری کی حدیث جو ترک۔ اسلام کے مرادف ہے اور وہی فقہا کا دفتر پارینہ جو غلط اصول پر مرتب کیا گیا ہے یا کوئی نئی کتاب حدیث کی جمع کی ہے اور اوس سے نیا دفتر فقہ کا مرتب کیا گیا ہے

اب آخر میں نہایت ادب سے عرض کرتا ہوں کہ شکست و ریخت بہت آسان ہے لیکن تعمیر مشکل ہے۔ نکتہ چینی سہل ہے لیکن انتظامی قابلیت کی جلوہ آرائی مشکل ہنگامہ آفرینی سب کرسکتے ہیں مگر سکون اور امن قائم کرنیکے واسطے تدبر کی ضرورت ہے۔ آگرہ کا تاج محل یا آصف الدولہ کا امام باڑہ گرانیکے لئے ہر جگہ مزدور مل سکتے ہیں لیکن شاہجہاں کی معجز نما عمارت بنانیوالا کوئی ایک کاریگر نہیں مل سکتا۔ زبان سے جو چاہنا بک دینا قلم سے جو چاہنا لکھدینا ہر شخص کر سکتا ہے۔ آپکو اوسوقت تک فقہا یا محدثین کے کارناموں پر پانی پھیرنیکا حق حاصل نہیں ہے جبتک اوسکی جگہ دوسرا مجموعہ نہ طیار کرلیں۔ نصاب نظامیہ کو آپ بدترین نصاب فرماتے ہیں براہ مہربانی بہترین نصاب سے مطلع فرمائیے

من انچہ شرط بلاغ است با تو میگویم — تو خواہ از سخنم پند گیر یا کہ ملال

اندکے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم — کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا۔ ربنا انک رؤف الرحیم۔

بدیع الزمان از فتحپور

نگار:۔ میرے محترم دوست جناب مولوی بدیع الزماں صاحب فتحپوری نے (جن کے ہم وطن ہونے اور ایک ہی استاد کے سامنے زانوئے ادب تہ کرنے کا فخر مجھے بھی حاصل ہے) اپنے مکتوب میں جس محبت و خلوص اور جس تاثر و دردمندی کے ساتھ میری لجر دی،

بیدینی، ناحق کوشی، اور زندقہ والحاد کا ذکر فرمایا ہے، اس کے اعتراف میں جی تو یہی چاہتا ہے کہ کسی طرح میں بھی وہی "چیز" بنجاؤں جو ان کے نزدیک قابل عزت ہے اور اپنے اندر وہی تغیر پیدا کروں جس کے دیکھنے کے وہ متمنی ہیں۔ لیکن

گریباں عالمے وارد کہ در دامن نمی گنجد

اور باوجود سعی و کوشش کے بھی میں ایک لمحہ کے لئے بقول عرفی اس میں کامیاب ہوتا نظر نہیں آتا کہ

محبت تو کنم جمع با مسلمانی

یہ اور بات ہے کہ آپ میری اس کیفیت کو جسے میں مسلمانی یا اسلام سے تعبیر کرتا ہوں کفر و بیدینی کا مترادف قرار دیں اور میں آپ کے اسلام کو صرف "بہ جوے نمی ارزد" کہکر ٹال جاؤں۔ بہر حال میں اپنے فاضل دوست کے تمام جذبات خلوص کی قدر کرتے ہوئے یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ جو دلایل انھوں نے میرے خلاف ضبط فرمائے ہیں وہ جدید نہیں اور اس سے قبل بار ہا میرے سامنے پیش ہو چکے ہیں اور میں نے کبھی اُن کو "نسیج عنکبوت" سے زیادہ نہیں سمجھا

آپ ضمناً بعض ایسے مسایل کا بھی ذکر کر گئے ہیں کہ اگر میں ہر ایک پر تفصیل کے ساتھ بحث کروں تو دفتر کے دفتر طیار ہو جائیں، لیکن اجمال کے ساتھ بھی ان پر بحث نہیں کرونگا۔ اس لئے نہیں کہ نتیجہ معلوم ہے، بلکہ اس لئے بھی کہ یہ طریق بحث اُس طریق کار سے بالکل جدا ہے جس کو میں نے اسلام کا مفہوم جاننے کے لئے متعین کیا ہے۔ آپ اسلام کو سمجھنا چاہتے ہیں شافعی وابوحنیفہ کو سمجھنے کے بعد اور میں اسلام سمجھنے کے بعد شافعی وابوحنیفہ کا مطالعہ کرنا چاہتا ہوں ——— تو از آتش دُخاں بینی من آتش از دخاں بینم ——— آپ کا اصول سفر یہ ہے کہ آنکھ پر پٹی باندھ کر رہبر کے ہاتھ میں ہاتھ دیدینا چاہئے اور میں اپنی بصارت کو زایل کرنے کے بعد کسی بصیرت کے حاصل کرنے پر آمادہ نہیں۔ اس لئے ممکن ہے کہ آپ منزل تک پہونچ جائیں اور میں ایک قدم بھی آگے نہ چل سکوں مگر جس حد تک اطمینان ضمیر کا تعلق ہے، میں کبھی آپ کے "قطع منازل" اور اپنی "لغزش پا" کو متوازی نہیں سمجھ سکتا۔

آپ نے سلسلۂ گفتگو میں "حضرت آدم علیہ السلام" کے متعلق بھی اپنے پندار میں نہایت ہی مُسکت دلیل کے طور پر اک طعن آمیز استفسار کیا ہے حالانکہ آپ جن کو حضرت آدم علیہ السلام کہتے ہیں وہ کوئی مخصوص شخص تھا اور نہ کلام مجید سے اس کو ثابت کیا جا سکتا ہے، موسیٰ کے عصا اور ید بیضا کا بھی ذکر کر کے مجھے مرعوب و مغلوب کرنے کی سعی فرمائی ہے، دریا کے پھٹ جانے اور دیوار کی طرح اس کے قایم ہو جانے کی روایت کو بھی اک حتمی و اذعانی دلیل کی صورت میں پیش کیا ہے درانحالیکہ یہ سب ایک طرف ادب و انشا کے استعارات و تشبیہات ہیں اور دوسری طرف تعبیرات اخلاقی جن سے ہر زمانہ کے نبی کا کلام لبریز نظر آتا ہے۔ اسی طرح آپ نے نماز، روزہ، حج وغیرہ کے متعلق بعض آیات قرآنی کے اشارہ سے میرے دعاوی کو باطل کرنا چاہا ہے لیکن اس انداز سے کہ شاید آپ نے میرے مدعا کو بھی اس وقت تک نہیں سمجھا، بہر حال میں ان کے جواب میں اسوقت بغیر کسی ادنیٰ تفصیل کے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہنا چاہتا کہ میرا مذہب ان "اصنامی خرافیات" سے بہت بلند ہے اور اگر اسلام کے نزدیک

بفرض محال ان تمام مسایل کو اسی روشنی میں دیکھنا ضروری ہے، جس میں آپ مطالعہ کر رہے ہیں تو معاف فرمائیے اس سے آپ کا مقصود سوائے اس کے کچھ نہیں کہ لوگ شافعی و ابو حنیفہ سے ہٹ کر خود بانی اسلام کے مقصد کو مشتبہ قرار دیں اور فقہ وحدیث سے ہٹ کر خود قرآن کو ریب و شک کی نگاہ سے دیکھنے لگیں، ممکن ہے آپ اس کے جواب میں فی قلوبہم مرض کہکر اپنی تسکین کر لیں، لیکن آپ کی تسکین دوسروں کے اضطراب کا علاج نہیں اور اسلام کا دعوائے حقیقت وحقانیت غالباً مسلمانوں سے زیادہ غیر مسلموں سے کیا گیا ہے

مجملاً آپ نے احادیث کا بھی ذکر کیا ہے اور مجھ پر تعریض کی ہے کہ جب میں احادیث کی صحت کا قایل نہیں تو ان کو "وحی غیر متلو" کیوں کہتا ہوں۔ معاف فرمائیگا۔ اس باب میں بھی آپ نے میرے مقصود ومفہوم کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ میں یقیناً اقوال رسول اور افعال رسول کو سب سے زیادہ قابل تقلید وتمسک چیز قرار دیتا ہوں، لیکن آج صحیح احادیث کہاں ہیں اور کتنی۔ بعد ام الکتاب سب سے زیادہ معتبر بخاری کو سمجھا جاتا ہے حالانکہ تضاد و تناقض، رکاکت وسخافت، بے عقلی وادہام پرستی جن سے ایک نبی کے افعال و اقوال کو آپ بھی منزہ مانتے ہیں، بخاری کے حجم وضخامت کے خاص عناصر ہیں۔ اسی پنجوقتہ نماز کے باب میں دیکھئے کہ کتنی حدیثیں بخاری میں ایسی موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے تین وقت کی نماز کو کافی بتایا ہے اس لئے میں یہ کہتا ہوں کہ جب کتب احادیث کی یہ حالت ہو تو ان کی تصحیح وتنقید کی طرف توجہ کرنا بیکار ہے کیونکہ اس میں ہمیشہ اختلاف رہیگا اور کسی ایک مرکز پر ہم کا فہ انام کو نہ لا سکیں گے، چنانچہ آج حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کی تفریق انھیں کتب احادیث کی بدولت ہے اور وہ مذہب جس سے زیادہ وحدت فی الاعتقاد، وحدت فی العمل اور وحدت فی الحیات کا درس کسی نے نہیں دیا، اس وقت احادیث کے اسی تناقض وتخالف کی وجہ سے ایک طرفہ تماشہ نظر آرہا ہے۔ اور شخص ثالث ان تمام مسالک کے انبوہ دلایل میں گم ہو کر رہجاتا ہے اور اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کس جماعت کو واقعی مسلمان سمجھے اور کس کو غیر مسلم۔ اور اگر آپ یہ کہیں کہ یہ اختلاف حقیقتاً رحمت ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ اس اصول کو پیش نظر رکھ کر ایک شخص ہات چھوڑ کر یا ہات باندھ کر نماز پڑھنے آمین بالجہر وآمین بالخفا کے جھگڑے کو دیکھنے کے بعد کیوں نہ تیسری صورت اختیار کرے جو ان دونوں سے مختلف ہو۔ علے الخصوص اسوقت جبکہ "اذا تعارضا تساقطا" کے منطقی استدلال سے آپ کو بھی انکار نہ ہوگا۔

اسلام کے تمام منازل عروج وانحطاط کو تاریخی نقطۂ نظر سے دیکھنے والا شخص اس نتیجہ تک پہونچنے پر مجبور ہے کہ اسلام میں تشتت وافتراق پیدا کرنے والا صرف احادیث کا عنصر ہے حتی کہ فقہ میں اختلاف کا سبب بھی اختلاف احادیث ہے اور اس سے زیادہ شرمناک بات ایک مذہب کے لئے کیا ہو سکتی ہے کہ وہ مختلف خیال کی مختلف جماعتوں کا مجموعہ ہو اور جن کے قانون میں بھی رات دن، سیاہ وسپید اور ہان، نہیں کا سا فرق پایا جائے۔

اس حال میں ظاہر ہے کہ آپ ایک غیر مسلم کو جب اسلام کی دعوت دینگے تو فروع سے ہٹا کر سب سے پہلے اصول ہی کی طرف لائیں گے اور اصول سمجھنے کا ذریعہ غالباً سوائے قرآن کے اور کوئی نہیں۔ پھر ایک شخص جب اصولاً مسلمان ہو جائے

تو کوئی وجہ نہیں کہ فروع کے انتخاب یا اجتہاد میں اسے آزاد نہ چھوڑ دیا جائے جب کہ آپ کے یہاں پہلے ہی سے اس میں کبھی نہ ختم ہونے والی نزاع قایم ہے۔ آپ ایک شخص کو تعلیم قرآنی کے تسلیم کرنے پر تو مجبور کر سکتے ہیں کیونکہ ان کی صداقت خود کسی دلیل کی محتاج نہیں لیکن امام بخاری اور امام ابوحنیفہ کی تقلید کو تو اصل مذہب قرار نہیں دے سکتے۔ آپ کو کیا حق حاصل ہے کہ ایک شخص کی آزادیٔ تنقید کو اس سے چھین لیں۔ فرض کیجئے ایک شخص توحید و رسالت کو ماننے کے بعد مسلمان ہو جاتا ہے، لیکن وہ کہتا ہے کہ فروع کے باب میں مجھے آزاد چھوڑ دیجئے میں خود تحقیق و مطالعہ کے بعد فیصلہ کرونگا کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا، تو کیا آپ اسے اپنی جماعت سے اس بنا پر نکالدینگے، کیا آپ اس سے یہ کہیئے کہ نہیں اسلام کی ضروری شرط یہ بھی ہے کہ ابوحنیفہ اور امام شافعی کی تحقیقات پر آنکھ بند کر کے عمل کیا جائے۔ یقیناً کوئی ذی عقل انسان ایسا نہیں کہہ سکتا اور ہمارے یہاں کے علماء کرام کا یہی ظلم تھا اور ہے جس نے اسلام کو سخت نقصان پہونچایا۔

یہ بالکل صحیح ہے کہ قرآن کی تعلیمات حکمت و فلسفہ سے بالکل علحدہ ہیں، کیونکہ اخلاق کی تعلیم دیگر دنیاوی علوم و فنون سے بالکل متمائز چیز ہے، لیکن اس کے یہ معنی تو نہیں کہ مذہب کی تعلیمات عقول انسانی کو سلب کر لیتی ہیں۔ جب تک کوئی بات کسی کی سمجھ میں نہ آئے گی، کیونکر اطمینان نفس اس کو پیدا ہوگا اور یقین و اعتقاد کی صورت کیونکر رونما ہوگی۔ آپ مجھے تو یہ کہکر ساکت کر سکتے ہیں کہ تو جاہل ہے، بیوقوف ہے تیرے دماغ میں قبول صلاح کی اہلیت نہیں ہے کیونکہ میں واقعی ایسا ہوں، لیکن ہر شخص سے تو آپ ایسا نہیں کہہ سکتے اور اگر ایسا کہہ سکتے ہیں تو اس کے یہی معنی ہیں کہ آپ اسلام کو حد درجہ تنگ نظر اور مستبد مذہب ثابت کرنا چاہتے ہیں جو بالکل حقیقت و واقعہ کے خلاف ہے۔

اب فرض کیجئے کہ ایک شخص قرآن کو کلام الٰہی اور نبی کو خدا کا پیامبر سمجھ کر مسلمان ہوتا ہے اور کلام مجید پر غور کرنے کے بعد کہتا ہے کہ۔ ید بیضا، عصائے موسوی، خرق دریائے نیل، قصۂ آدم، ولادت عیسیٰ وغیرہ کے متعلق جو باتیں عام مفسرین بتاتے ہیں ان کو میری عقل قبول نہیں کرتی، اس لئے میں خود کلام مجید سے اُن کو سمجھنا چاہتا ہوں، تو کیا آپ اس کو روک دینگے، کیا کلام مجید پر غور کرنے اور کسی نتیجہ تک پہونچنے سے اُسے باز رکھیں گے۔ کیا آپ یہ کہدینگے کہ کلام مجید کو صرف ایک عرب ہی سمجھ سکتا ہے اور چونکہ تم عرب نہیں ہو اس لئے اس کو نہیں سمجھ سکتے۔ اگر اسلام واقعی اس تحدید و امتناع کا نام ہے تو پھر عہد وحشت کی لامذہبیت کیا بُری چیز تھی جب کم از کم معصیت کی آزادی تو انسان سے سلب نہ ہوئی تھی

مذہب کو دلایل منطقی، استنتاج فلسفہ، اصول حدیث و فقہ وغیرہ کی الجھنوں سے آزاد کر کے محض اخلاق کے سادہ اصول سے دیکھنا چاہیے اور ان سے تجاوز کر کے فضول مباحث میں نہ پڑنا چاہیے، کیونکہ جب تک یہ نہ کیا جائے گا ایک مذہب کبھی وسیع نہیں ہو سکتا اور نہ اس کی تبلیغ کیجا سکتی ہے۔ صرف اخلاق ہی ایک ایسی چیز ہے جس پر ہر ملک و عہد کا انسان متحد الخیال ہو سکتا ہے اور جس کو نوع انسانی مرتبہ مرکزیت دے سکتی ہے، لیکن ایک مولوی یہ کہتا ہے کہ پہلے مجھے مولوی مانو، اس کے بعد ابوحنیفہ کو امام سمجھو، اور پھر قرآن پر غور کرو یا نہ کرو مسلمان ہو۔

میرا عقیدہ ہے کہ دنیا میں اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جسپر تمام نوع بشری کا اجتماع ہو سکتا ہے اور اس خیال کو بنیاد قرار دیکر میں نے اسلام کا مطالعہ کیا ہے۔ میں اسلام کو جس صورت میں پیش کرنا چاہتا ہوں وہ ایک ایسی حقیقی صورت ہے جس کی وسیع آغوش سے دنیا کا کوئی ذی فہم انسان باہر نہیں نکل سکتا اور آپ حضرات یہ چاہتے ہیں کہ جو چند افراد مسلمانوں کے پائے جاتے ہیں وہ بھی اسلام سے خارج کر دئے جائیں اور اسلام کو ایک لایعنی معمہ، اک مہمل چیستاں، ایک عجوبہ زار بناکر پیش کیا جائے جس میں سوائے خرافیات کے کچھ نہ نظر آئے اور جس کو ایک سنجیدہ انسان دیکھتے ہی ہماری عقلوں کے انحطاط پر بلا پس وپیش حکم لگا دے۔ پھر میں نہیں سمجھ سکتا کہ ان معتقدات سے اخلاق کو کیا فایدہ پہونچتا ہے اور انسان کی کس ترقی کا راز اس میں مضمر ہے

آپ فرماتے ہیں کہ شکست و ریخت آسان ہے، تعمیر مشکل ہے، بالکل میرا بھی یہی جواب ہے اور انصاف ہر ذی فہم کے ہات میں ہے کہ علماء دین مذہب کی تعمیر کو مسمار کر رہے ہیں یا مستحکم

نیاز

نوٹس

ہندوستانی ایکاڈمی صوبہ متحدہ آلہ آباد کے مطبوعات

ازمنۂ وسطیٰ میں ہندوستان کے معاشرتی اور اقتصادی حالات ——

از علامہ عبداللہ یوسف علی۔ ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ ایم۔ سی۔ جی۔ ای ——

مجلد	۴؍
غیر مجلد	عہ

زیر طبع

(۱) مغلوں سے پہلے عرب ہندوستان کے تعلقات (از مولانا سید سلیمان صاحب ندوی)

(۲) مسلمانوں کے تمدن پر ہندوؤں کا اثر (از مولانا محمد امین صاحب عباسی)

(۳) ازمنۂ وسطیٰ کا ہندوستانی تمدن (از رائے بہادر مہامہو پادھیا گوری شنکر ہیرا چند صاحب دجھا)

(۴) ہندی شاعری (از ڈاکٹر اعظم صاحب کریوی)

جنرل سیکرٹری ہندوستانی اکاڈمی الہ آباد

باب الاستفسار

ہندو مسلم اتحاد

(جناب عبدالباقی صاحب۔ نوتنواں بازار۔ گورکھپور)

۲۴ تاریخ ماہ گزشتہ کی مختصر صحبت میں منجملہ دیگر تذکار کے ایک "ہندو مسلم اتحاد" بھی تھا جو موجودہ صورت میں "غیر تسلی بخش اور لایعنی" ثابت ہونے تک گفتگو ختم ہو چکی تھی

سوال یہ ہے کہ ہمیں من حیث القوم سیاسی حقوق حاصل کرنے کے لئے اب کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہئے۔ میرے خیال میں یہی ایک سوال ہے جس کے حل ہونے پر ہندوستان کی نجات کا انحصار ہے۔

(نگار) آپ کے استفسار میں دو باتیں درج ہیں "ہندو مسلم اتحاد" اور "من حیث القوم" سیاسی حقوق کا حاصل کرنا میں ان دونوں میں ایک نوع کا تضاد محسوس کرتا ہوں۔ خیال و منطق کا تضاد نہیں بلکہ "رود اد عمل" کا تضاد۔ جس وقت تک کسی مخصوص قوم یعنی مخصوص مذہب کی حیثیت سے کوئی مطالبہ ہوتا رہیگا، اس وقت تک اتحاد کا خیال اک واہمہ و خواب سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا، لیکن اگر تفریق قومی یا تمیز مذہب سے قطع نظر کرکے صرف وطنیت کو پیش نظر رکھا جائیگا تو پھر ہندو مسلم اتحاد بھی حاصل ہو جائیگا اور "من حیث القوم" کا بھی سوال نہ پیدا ہوگا

چونکہ اس وقت تک ہمارے ہاں کے قایدین نے (خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان) مذہبیت کو علیحدہ رکھ کر اس مسئلہ پر غور نہیں کیا اس لئے تمام موجودہ دشواریاں پیدا ہو رہی ہیں اور اس وقت تک رونما ہوتی رہینگی جب تک ایک دوسرے کو عملاً فنا نہ کردے۔ اس باب میں ہندو و مسلمان دونوں برابر کے مجرم ہیں اور مذہبی تنگ نظری دونوں فریق میں ایک ہی انداز کی پائی جاتی ہے نہ اُن کی سمجھ میں آئیگا کہ چھوت چھات اور گائے کے عنصر کو کس طرح ہندو دھرم سے علیحدہ کیا جا سکتا ہے اور نہ یہ قربانی اور باجہ وغیرہ کو کفر و ایمان سمجھنے سے باز آئیں گے۔ اگر آج ہندو و مسلمان دونوں اپنے اپنے مذہب سے حشو و زوائد کو علیحدہ کرنے میں کامیاب ہو جائیں یعنی یہ دونوں بجائے مذہب کے صرف فلسفۂ مذہب کو سامنے رکھیں تو آج عصبیت دور ہو سکتی ہے اور عصبیت کا دُور ہو جانا ہی اصل اتحاد و اتفاق ہے۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ یہ ممکن العمل نہیں ہے اور اس لئے یہ پیشین گوئی کرنا نہایت آسان ہے کہ ہندو و مسلمان کبھی آپس میں نہیں ملسکتے اور ان کی جنگ اس وقت تک ختم نہ ہوگی جب تک ان میں موجودہ مذہبیت قایم ہے۔ یہ تو ہو گیا نظریہ۔ اب واقعات و حالات کو دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ اب سوال ہندوستان کے سوراج ملنے یا نہ ملنے کا نہیں ہے بلکہ انتظار ہے صرف وقت کا

یہ امر روز روشن کی طرح متحقق ہو چکا ہے کہ ہندوستان آزاد ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، لیکن کب؟ اس کی تعیین بھی چنداں دشوار نہیں اور اگر لوگ میری پیشین گوئی پر خندہ زن نہ ہوں، تو میں کہونگا کہ دس سال کی مدت بھی اس کے لئے بہت زیادہ ہے

پھر ہندوستان کا آزاد ہونا چونکہ صرف ایک ہی معنی رکھتا ہے اور وہ یہ کہ ہندو جماعت اپنی کثرت آبادی، فراوانی دولت اور اشاعت علم کی مدد سے تمام دوسری قوموں پر حاوی ہو جائے اس لئے مسلمانوں کا قلت آبادی، کثرت افلاس، اور جہل کے اعتبار سے ایک عنصر ضعیف کی حیثیت اختیار کرنا ناگزیر ہے۔ یہ بالکل ریاضی کی طرح کھلا ہوا نتیجہ ہے جس پر نہ شور و واویلا کی ضرورت ہے، نہ نالہ و شیون کی۔ ہندوستان ہندو قوم کا ملک ہے، انھیں کی سرزمین ہے، ایک وقت غیر معلوم سے لیکر اس وقت تک خدا جانے کیسے کیسے دور حیات ان پر یہاں گزر چکے ہیں، اس لئے کسی کو کیا حق حاصل ہے کہ اُن سے اُن کے ملک کو چھین لے یا اُن کے مقابلہ میں اپنے تفوق و برتری کو ثابت کرے، ترکی، ایران، افغانستان، مصر و حجاز میں مسلم حکومتیں موجود ہیں اس لئے اگر ہندوؤں کے دل میں بھی یہ ولولہ پیدا ہو کہ وہ ہندوستان میں اپنی اکثریت سے فائدہ اُٹھا کر اقتدار حکومت قایم کریں تو بالکل فطری امر ہے اور اس پر کسی کو بُرا ماننا میرے نزدیک سخت نا انصافی ہے

تاریخ کا یہ کوئی نیا واقعہ نہیں ہے۔ بارہا اس کا تجربہ ہو چکا ہے کہ جب کسی ملک کی قومیں بیدار ہوئیں تو غیر ملکیوں کو وہاں سے نکلنا پڑا یا محکومیت اختیار کرنا پڑی۔ اگر مسلمان اس کو اپنی توہین سمجھتے ہیں کہ وہ ہندی کہلائیں تو پھر غیر ملکیوں کے ساتھ انکا بھی حشر ہونے والا ہے اور اگر وہ اپنے آپ کو یہیں کا فرزند جانتے ہیں تو پھر ان کو اپنی موجودہ مذہبیت کی تنگ نظری چھوڑنا چاہئے اور سمجھنا چاہیے کہ جس چیز کو آج وہ ایثار و قربانی کے نام سے ترک کر سکتے ہیں، کل اُن کو بہ جبر چھوڑنا پڑیگی اور پھر اُس وقت کسی معاوضہ کا سوال بھی نہیں اُٹھایا جا سکیگا۔

نہرو رپورٹ سے مخالفت کرنے والے وہی لوگ ہیں جو سمجھتے ہیں کہ برطانیہ کا اقتدار ہندوستان میں ہمیشہ قایم رہیگا لیکن جن کی نگاہیں زیادہ دُور رس ہیں وہ جانتے ہیں کہ نہرو رپورٹ کے نظام کو بھی ایک دن بدلجانا ہے اور وہ نظام حکومت جو اس کے بعد آنے والا ہے، مسلمانوں کے لئے اور زیادہ سخت ثابت ہوگا اگر اس وقت انھوں نے رواداری سے کام لیکر ہندوؤں کا ساتھ نہ دیا

میں اس منطق کا قایل نہیں ہوں کہ اگر ہندو رواداری سے کام نہیں لیتے تو ہم کیوں لیں۔ رواداری خود آپ اپنی جگہ پیدا کر لیتی ہے اور اگر ہم پہلے سے سیلاب کے گزر جانے کے لئے جگہ بنا دیں تو دیوار کے گرنے کا اندیشہ باقی نہیں رہتا۔ اس لئے میرے نزدیک ہندو مسلم اتحاد سے زیادہ یہ مسئلہ غور طلب ہے کہ مسلمان کس حد تک ایثار سے کام لے سکتے ہیں اور اپنی اقلیت کو اہم بنانے کے لئے وہ کس حد تک تعلیم و اقتصاد میں ترقی کرنے کے لئے آمادہ ہیں۔ اس کے علاوہ اور کوئی سوال اس وقت غور طلب نہیں ہے لیکن مجھے معلوم ہے کہ جب تک یہ کم سواد علماء اور کوتہ اندیش لیڈروں کا گروہ موجود ہے وہ اذان باجہ، ناقوس، قربانی، تبلیغ، شدھی وغیرہ کے جھگڑوں ہی میں مبتلا رکھیگا اور کبھی اس کا موقعہ نہ دیگا کہ مسلمان سنجیدگی سے اپنے مستقبل پر غور کرکے

ان مہملات کو ترک کریں اور بہ حیثیت مسلمان ہونے کے نہیں بلکہ بہ لحاظ انسان ہونے کے دوسروں سے اتحاد کرنا سیکھیں حقیقت یہ ہے کہ ان حالات کو دیکھتے ہوئے مجھے مسلمانوں کا مستقبل بہت تاریک نظر آتا ہے اور یہ سیاسی یا مذہبی حقوق طلبی بالکل بے نتیجہ سی بات ہے۔ جس وقت تک اسپین کی قومیں بیدار نہ ہوئی تھیں مسلمانوں نے پوری داد حکومت دی، لیکن جب ان کو ہوش آیا اور انھوں نے آزادی حاصل کی تو مسلمانوں کو آخرکار ہسپانیہ کی سرزمین کو خیرباد کہنا ہی پڑا۔ بالکل یہی حال ہندوستان کا ہے کہ جب تک یہاں کی قوموں میں احساس ذلت و محکومیت پیدا نہ ہوا تھا مسلمانوں نے بھی حکومت کی، انگریزوں نے بھی شاہنشاہی کر لی، لیکن اب جبکہ سارے ملک میں بیداری پیدا ہو گئی ہے نہ انگریزوں کی حکومت یہاں رہ سکتی ہے اور نہ مسلمانوں کو کوئی ایسا خاص حق مل سکتا ہے جس کے وہ کسی طرح سے مستحق نہیں ہیں

نیاز

کیمیا کا ایک **کایا پلٹ ہیر آئل** حیرت انگیز معجزہ

کہنے کو صرف یہ تیل ہے لیکن اپنے اثرات کے لحاظ سے اکسیر کو بھی مات کرتا ہے۔ یہ تیل نہایت قیمتی اور نادرالوجود نباتاتی و کیمیاوی اجزاء سے جدید اصول پر طیار کیا گیا ہے جسکی تصدیق بڑے بڑے سائنس دانوں نے کی ہے اسکے فوائد کی تفصیل مختصر اشتہار میں ناممکن ہے مختصراً یوں سمجھ لیجیے کہ گھر میں اسکی ایک شیشی رکھنا گویا بہت سے امراض کو دفع کر دینا ہے

اگر۔ سر یا چندیا کے بال گر گئے ہیں یا گر رہے ہیں۔ یا بالخورہ اور گنج ہو گیا ہے

اگر۔ نزلہ درد سر یا شقیقہ، دوران سر ضعف دماغ و ضعف بصر، بے خوابی یا نسیان کی شکایت ہے

اگر۔ سر اور جسم کی پھوڑیاں، پھنسیاں، گرمی دانے، خارش یا دیگر امراض جلدی کا دفع کرنا مقصود ہے

اگر۔ کنٹھ مالا۔ سل اور دق وغیرہ سے محفوظ رہنا ہے

تو

ان سب کا واحد علاج کایا پلٹ ہیر آئل ہے

جو نہ صرف خوشبو بلکہ اپنی مقدار و وزن کے لحاظ سے بھی بازار کے تمام خوشبودار تیلوں سے اچھا اور ارزاں ہے۔

ڈاکٹر تیج بہادر لکھنؤ سے اپنی تحریر میں تصدیق فرماتے ہیں کہ اس تیل کے فواید اشتہار کے مطابق پائے گئے ہیں اور مرزا جعفر علی خانصاحب بی اے ڈپٹی کلکٹر رائے بریلی نے دوامی آرڈر ہر ماہ ایک شیشی کا دیدیا ہے۔ اور بھی متعدد سرٹیفکٹ موجود ہیں۔

جوابی امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ ضروری ہے

قیمت معہ محصول .... (عہ)

مینیجر کایا پلٹ ہیر آئل لکھنؤ

مرغ شب آہنگ

گرچہ میں ظاہر میں ہوں اک طائر یک مشت پر — قدر میری جانتے ہیں کچھ مگر ، اہل نظر
ہوں نوا سنج فغاں بھی زمزمہ پرداز بھی — میرے نغموں کی صدا میں سوز بھی ہے ساز بھی
غیرت صحن چمن ہے تنگ دامانی ، مری — نغمہ پردازی بھی ہے ، گویا گل افشانی مری
کھینچ لیتی ہے دلوں کو ، زمزمہ سازی مری — وجد میں لاتی ہے طرز نغمہ پردازی مری
سحر پنہاں ہے مری آواز مین ڈوبا ہوا — میری طرز نغمہ میں جادو ہے اک چلتا ہوا
ہے مرا حسن ترنم جلوہ آرائے چمن — میرے ہر ذرہ میں پوشیدہ ہے سورج کی کرن
میں نے پرتو لے ادھر اور اُس طرف آئی بہار — ہے مری جنبش میں راز گردش لیل و نہار
میرے نغمے اور بہار جلوۂ حسن چمن — تازہ کر دیتے ہیں دلمین یاد ایام کہن

"عشرت دیرینہ" کا خواب پریشان ، دیکھنا
اس طرف بھی اک ذرا او چشم گریان دیکھنا

شب کو جب ہوتی ہے ہر سو خامشی چھائی ہوی — صحن گلشن میں صبا پھرتی ہے اترائی ہوی
ذرہ ذرہ خواب سے لبریز ہو جاتا ہے جب — جلوۂ انجم ، تبسم ریز ہو جاتا ہے جب
وسعت عالم پہ چھا جاتا ہے ہر جانب سکوت — ہر نفس دیتا ہے ذوق استراحت کا ثبوت
جب ترنم آفریں ہوتی ہے ، موج آبشار — ہر طرف ہوتی ہے ، عطر افشاں ہوائے خوشگوار
نخل جھک جاتے ہیں ، ذوق خواہش آرام سے — روح ہو جاتی ہے غافل تلخی ایام سے

ہلکی ہلکی ابر کے ٹکڑوں سے ، پڑتی ہے پھوار
بھینی بھینی بوئے گل دیتی ہے پیغام بہار

شوق پنہاں چٹکیاں لیکر جگاتا ہے مجھے — چپکے چپکے داستان گل سناتا ہے مجھے
بیخودی میں آشیانے سے نکل آتا ہوں میں — ساز گلشن میں نئی اک روح دوڑاتا ہوں میں
پھول کھل جاتے ہیں پھر میرے ہنسانے کے لئے — بادِ نرم آتی ہے مجھکو گدگدانے کے لئے
جھومتے ہیں غنچۂ نورس ، مری آواز پر — رقص یا کرتی ہیں ، کچھ پریان صدائے ساز پر
وجد کرتے ہیں شجر ، چلتی ہے رک رک کر ہوا — بر لبِ موج رواں سے اب نہیں آتی صدا

محفل انجم میں رُک جاتا ہے سازِ سرمدی　　میرے نغمے ہیں نواپرداز رازِ سرمدی
چاندلینا چاہتا ہے مجھ کو، پھر آغوش میں
میں سراپا شوق ہوتا ہوں دُ فورِ جوش میں
میں اسی عالم میں ہوتا ہوں نواپرداز شوق　　نغمۂ الفت سے پرُ ہوتا ہے میرا سازِ شوق
یک بیک برباد ہو جاتا ہے، سامان طرب　　آہ، وہ کیفیت سرشار، وہ شان طرب

وہ شباب آرزو آشوب پیری بن گیا　　میرا نغمہ ہی مری وجہ اسیری بن گیا
کیا خبر تھی قصر دل ہو جائے گا برباد بھی　　دام پھیلائے ہوے ہے تاک میں صیاد بھی
اب نہ وہ میں ہوں، نہ وہ عیشِ بہار فصل گل　　میری آنکھیں ہیں مگر نوحہ گزار فصل گل
اب نہ وہ جوش ترنم ہے نہ وہ آزادیاں　　بن گیا ہوں میں سراپا سازِ آہنگ فغاں
ماتم حسرت ہے، میرا شغل بیکاری مجھے　　بند رکھتی ہے قفس کی چار دیواری مجھے
ہوں سراپا غم قفس میں آشیانے کے لیئے　　فکر ہوتی ہے مجھے کب آب و دانے کے لیئے
اضطراب زندگی سے بر سرِ پیکار ہوں
گنج ہستی سے نکلنے کے لیئے تیار ہوں
ہم اگر سمجھیں تو ہے ایسا ہی اس دنیا کا حال　　ابتدا سے چاہئے انسان کو احسا سِ مآل
کام زائد، وقت کم، سرگرم، بیدادِ اجل　　تاک مین آٹھوں پہر رہتا ہے، صیادِ اجل

جسم پابند فنا ہے، اور لازم ہے فنا　　یاد رکھ ہے روح کو حاصل مگر دائم بقا
"روح بھی، لیکن وہ مُردہ ہے جو بے احساس ہے"　　تجھ کو اس آئینِ فطرت کا اگر کچھ پاس ہے
یادگاریں چھوڑ جا، اس دار فانی کے لئے
کام کچھ کرجا، حیات جاودانی کے لئے

ملی اختر۔ اختر

اگر آپ کو } ہندوستان بھر سے عمدہ اور نفیس تمبا کو خوردنی وگولی و قوام وغیرہ خریدنا ہو تو
ایم۔ کے بجھن برادرس احاطہ کمال جمال لکھنؤ سے خرید فرمائیے

اسرار

(۱)

روحِ خوابیدۂ الفت ہے تو بیدار نہ کر
قلبِ سرشارِ محبت ہے تو ہشیار نہ کر
لذتِ درد کو — ہم معنئ آزار نہ کر
عشق رکھتا ہے اگر دل میں تو — اظہار نہ کر

(۲)

نغمۂ عشق نہیں — دھر مین گانیکے لئے
یہ فسانہ نہیں — دنیا کو سنانے کے لئے
نہ جلانے کے لئے ہے — نہ بجھانے کے لئے
عشق کی آگ ہے سینے میں دبانے کے لئے

(۳)

"حسن" تو لاکھ حجابوں میں رہے یوں مستور
اور بے پردگئ عشق ہو تجھ کو — منظور
کیا ملے گا تجھے — ؟ یہ راز ہو اگر مشہور
سامنے ہے ترے افسانۂ "دار و منصور"!

(۴)

اشک بنکر بھی نہ عریاں ہو ترا ذوقِ گداز
ترے جذبات کا گہوارہ ہو — خلوتگہ راز
آرزوؤں کو نہ دینا کبھی — اذنِ پرواز
ورنہ ہستی تری ہو جائیگی مجبورِ نیاز

(۵)

جس طرح نکہتِ گل ہو گلِ رنگیں میں نہاں
جس طرح نشۂ مے ہو مئے زریں میں نہاں
جیسے — گوہر ہو تہِ چشمۂ سیمیں میں نہاں
یوں ہی الفت بھی ہو تیرے دلِ غمگیں میں نہاں

(۶)

شام میں ہو کوئی دھندلا سا ستارہ — روپوش
قلبِ صحرا میں ہو کوئی گلِ صحرا — روپوش
جیسے — فانوس میں ہو شمعِ تجلی روپوش
ترے دل میں ہو یونہی داغِ تمنا روپوش

(۷)

مشتعل شمع اگر ہو تو — بجھانا اچھا!
درد بنجائے اذیت تو — مٹانا اچھا!
جس طرح خوابِ پریشاں کا بھلانا اچھا!
ہے یونہی جوشِ محبت کا دبانا اچھا!

(۸)

مصحفِ عشق کی — تفسیر نہیں کرتے ہیں
معنئ عشق کو — "تصویر" نہیں کرتے ہیں
عصمتِ عشق کی — تشہیر نہیں کرتے ہیں
یعنی اس خواب کی — تعبیر نہیں کرتے ہیں

(۹)

جو سراپردۂ الفت کے مکیں — ہوتے ہیں
خاتمِ رازِ محبت کے نگیں — ہوتے ہیں
جو کبھی عشق میں — "بیصبر" نہیں ہوتے ہیں
وہ خداوندِ محبت کے "امیں" ہوتے ہیں

روش صدیقی

غزلیات

باسط بسوانی

کونسا جور و ستم تم نے اٹھا رکھا ہے
یاد سب کچھ ہے مگر دل نے بھلا رکھا ہے

گر یہی رنگ جفا ہے تو خدا خیر کرے
آج تک دل کو تو پابندِ وفا رکھا ہے

سر جھکا لیتے ہیں وہ سن کے ہماری باتیں
اس تغافل کا مگر نام حیا رکھا ہے

آپ ہی در پہ ترے کرتا ہوں پھروں فریاد
آپ ہی کہتا ہوں فریاد میں کیا رکھا ہے

بزمِ عشاق میں منہ پھیر کے ہنسنے والے
یہ بھی تو دیکھ کہ کس کس کو رلا رکھا ہے

وہ سنیں یا نہ سنیں آہِ سحر اے باسط
ہم نے تو اپنا یہی وقتِ دعا رکھا ہے

ثاقب جالندھری

کوئی نہ جب اٹھا سکا بارِ گرانِ زندگی
خاک میں ساری مل گئی عزت و شانِ زندگی

دل کی مرے اک آرزو آپ جسے مٹا چکے
تھی وہی روحِ زندگی تھی وہی جانِ زندگی

زیست ہے آجکل مگر فتنہ و شر کی زیست ہے
دورِ فلک سے مٹ گیا امن و امانِ زندگی

دشت نورد و دشت کے ذروں کو خوب چھان لے
شاید انھیں میں مل سکے کوئی نشانِ زندگی

برسوں سے زندگی پہ ہے ہم کو گمان موت کا
برسوں رہے گا موت پر ہمکو گمانِ زندگی

....

وہ کہ نہیں اٹھا سکے ہاتھ میں اپنے تیغ بھی
ہم کہ اٹھائے پھرتے ہیں بارِ گرانِ زندگی

....

....

....

ثاقب زار تھا کہاں زندہ دلی سے آشنا
دل کی تڑپ نے کر دیا سحر بیانِ زندگی

اردوئے خطوط غالب
جناب مرزا محمد عسکری صاحب بی اے لکھنوی نے نہایت محنت اور عرقریزی سے کتب مذکورہ بالا ات افزا کرکے باضافہ ایک بسیط اور مفید مقدمہ اور مرزا غالب کے اکثر مکتوب الیہم کے مختصر حالات اور نمونہ کلام ہے
ضخامت ۴۹۶ صفحات تقطیع ۱۸×۲۲
قیمت مع تصویر غالب ...... (عہ)
مینیجر نگار، نظیر آباد، لکھنؤ

حافظ غازی پوری

کھل گیا جب حسن کے رخسار سے بندِ نقاب
عشق کے مطلع پہ چمکا پھر نیا اک آفتاب

جب نگاہِ "شوخ" اُسکی بنگئی برقِ سحاب
حسن کی دنیا ہوئی "آسودہ" "عہدِ شباب"

عشق کی کیفیتوں میں لغزشِ مستانہ ہے
حسن کی تاثیر میں ہے نشۂ جامِ شراب

عشق اپنی سادگی میں فطرت آسودہ تھا
کر دیا اُس میں بھی پیدا حسن نے اک انقلاب

ہر شکست "آرزو" میں ہے نمود امید کی
قطرہ قطرہ بحرِ ہستی کا بنا رشکِ حباب

ذرہ ذرہ زندگی کا ہے تلاطم آشنا
ہے یہ "احساس" سکون بھی ایک کیفِ اضطراب

جلوہ گر ہونے کو ہے اب آفتابِ روزِ حشر
لو اُٹھو حافظ بہت تم رہ چکے مصروفِ خواب

فرخ بنارسی

وجد آفریں جو نغمۂ سازِ الست تھا
ایک ایک ذرہ کیف ترنم سے مست تھا

کم روزِ حشر بھی نہوا کیف بیخودی
دل سرخوشِ سرورِ شرابِ الست تھا

حدِ تعینات سے جب مین گزر گیا
یکسان مری نگاہ مین بالا و پست تھا

روزِ ازل تھا دونوں طرف رنگ اتحاد
بیخود ادھر تھا عشق اُدھر حسن مست تھا

آزاد ہو کے اور بھی مجبور ہو گئے
پوشیدہ فتح نفس مین رازِ شکست تھا

وحشت میں بھی رہا وہی سودائے جستجو
دیوانۂ مجاز حقیقت پرست تھا

کیفیت بہار کی اللہ رے مستیان
جو پھول تھا چمن مین وہ ساغر بدست تھا

مجموعۂ حوادثِ پیہم تھی زندگی
تھا جو نفس وہ نغمۂ سازِ شکست تھا

فرخ کا سر جھکا نہ کسی کی جناب مین
وہ بندگی کے جوش میں بھی حق پرست تھا

سائنس کے عجائب

مفت — یا — مفت

سائنس کا علم

چھپ کر طیار ہے۔ لیکن وہ قیمتاً نہیں دیجائیگی بلکہ خریدارانِ نگار کو مفت دیجائیگی، جن کو ضرورت ہو ۴ر رجسٹری کے بھیجکر طلب کرلیں، ہر جدید و قدیم خریدار اس سے فایدہ اُٹھا سکتا ہی۔ منیجر نگار لکھنؤ

نظیرؔ لودھیانوی

ترستا ہے تماشائی کو جلوہ اے خدا میرا
عدم میں کب تلک پنہاں رہیگا آشنا میرا

دیارِ عاشقی میں تذکرہ ہے جابجا میرا
مگر منکر ہے میری دوستی سے بیوفا میرا

چمن والوں نے اندازِ ترنم مجھ سے سیکھا ہے
تعجب ہے کہ نامحرم ہے اب تک ہم نوا میرا

یہی عالم ہے گر احباب کی بے التفاتی کا
در و دیوار سے پوچھیں گے اکدن مدعا میرا

سکوتِ صبحِ ہستی میں ابھی مثلِ نوا گم ہوں
ابھی حرف و زباں سے بے خبر ہے ماجرا میرا

سمجھتے ہیں مجھے ادنیٰ مسافر ہم سفر میرے
چراغِ رہگذر آخر بنے گا نقشِ پا میرا

تحیرؔ عشق کی قوت سے ہوگا ایک دنیا کو
شبِ فرقت ابھی اُٹھا نہیں دستِ دعا میرا

سنا ہوگا فسانہ قیس کی صحرا نوردی کا
محبت کے جنوں میں وہ بھی اک انداز تھا میرا

وفورِ دردِ فرقت سے سراپا سازِ حسرت ہوں
زباں ہے غم فزا میری سخن ہے جانگزا میرا

ملے گر بادشاہی بے مشقت میں نہ لوں ہرگز
مجھے اورنگِ کسریٰ سے ہے بہتر بوریا میرا

کسی نااہل کے اعزاز سے مجھکو حسد کیوں ہو
مجھے آخر دلا ہی دیگا میرا حق خدا میرا

کہا واعظ کے ارشادات سن کر زالِ دنیا نے
ابھی نکلا ہے میخانہ سے چھپ کر پارسا میرا

نظیرؔ اقبالؔ کے اس قول پر ایمان رکھتا ہوں
میں وہ بندہ ہوں جس پر ناز کرتا ہے خدا میرا

خلاف تحریر ہو تو قیمت واپس

ہمارے کارخانہ قائم شدہ ۱۹۱۲ء کی تیار کردہ مقبول عام پیتل کی خوبصورت
پالش شدہ منٹوں میں سیروں نفیس و لذیذ رومالی سویاں تیار کرنے والی

نو ایجادِ مشین سویاں

وزن معمولی
حجم کم
پرزے مختصر و مضبوط

قیمت فی مشین پیتل پالش شدہ چھلنی دو عدد (سوراخ ۱و۲) [illegible] علاوہ محصول ڈاک وغیرہ

ملنے کا پتہ:- ہندوستانی ایجاد گھر دہلی

معلومات

نشو و نما مین جگہ کا اثر!

الوانِ حیوان کی علمی تعلیل

جنگل اور میدان، باغ اور گلشن میں ہمیشہ رہنے والے قادرِ اعظم کی اس حکیمانہ اور بصیرت افروز قدرت کا علانیہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ درندے اور چرندے بھایم اور وحوش، پرندے اور طیور، ہوام اور حشرات سب کے اجسام کا رنگ مقام مسکونہ کے مانند ہوتا ہے چنانچہ شمالی شہروں مین جہاں کثرت سے برف باری ہوتی ہے۔ حیوانات اکثر سفید رنگ کے ہوتے ہیں۔ اور جن جنگلوں اور میدانوں میں ریت زیادہ ہوتی ہے، وہاں کے حیوانات کا رنگ بیشتر رتیلا ہوتا ہے۔ جن چمنوں میں کلیاں زیادہ کھلتی ہیں، وہاں کے حشرات اور طیور رنگین ہوتے ہیں جن نیستانوں میں نے کے سائے مستوی خط میں زمین پر پڑتے ہیں۔ وہان اکثر مخطط (چیتا) ہوتا ہے بہتیرے پتنگے جن کلیوں پر رہتے ہیں، انھی کے مشابہ ہوتے ہیں۔ اکثر چھوٹے چھوٹے کیڑے جن شاخوں پر رینگا کرتے ہیں انھی کے مانند ہوتے ہیں۔ الغرض حشرات و حیوان کی جتنی قسمین ہیں خواہ چھوٹی ہون یا بڑی، ان تمام کا رنگ اپنے مکان مسکونہ کے رنگ سے ملتا جلتا ہوتا ہے حتی کہ موسم کے بدلنے پر جب کبھی جگہ کا رنگ بدل جاتا ہے تو اس تبدیلی سے بھی حیوانات کے رنگ متغیر ہو جاتے ہیں۔ اور یہ تمام باتیں وہ عینی مشاہدے ہیں جن میں شاید دنیا کے دو انسان کبھی مختلف نہ ہونگے

لیکن پھر اس تلون کے کیا اسباب ہیں؟ ماہرینِ فن نے پہلے پہل اس مسئلہ کی یہ تعلیل بیان کی کہ عنایت الٰہیہ حیوانات کو ان الوان کے ساتھ محض انکی حفاظت کیلئے رنگتی ہے تاکہ دشمن کی متجسس نگاہیں انپر نہ پڑ سکیں، اور وہ ان کی زندگی کا فیصلہ کر دینے والے حملوں سے محفوظ رہیں۔ لیکن حقیقت میں مسئلہ کا یہ حل کوئی شافی حل نہیں ہے

اسپر اعتراضًا یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر اس سے عنایت الٰہی کا منشا حیوانات کی محض حفاظت اور نگہداشت ہوتی تو بہت ممکن تھا کہ وہ کسی دوسرے سہل اور عمدہ اسلوب پر انکی حفاظت کرتی یعنی ایسا ہوتا کہ وہ تمام حیوانات کو نبات خور بنا دیتی اور خود ان درندوں میں شکار کا کوئی طبعی میلان ہی پیدا نہ کرتی، اس لئے کہ مثلاً شیر کو طبعاً شکار حیوان کی طرف مائل کرنا اور شیر کی خوراک صرف حیوانات کا گوشت بنانا پھر شیر کے حملوں سے حیوانات کی حمایت کرکے شیر کو بھوکون مارنے کی سعی کرنی یہ کوئی حکیمانہ بات نہیں ہے۔ اور مشاہدہ بھی اس حمایت کی تائید نہین کرتا ہم دیکھتے ہیں کہ شیر ہمیشہ حیوانات کا شکار کرتا ہے اور اسکی خوراک انھی حیوانات کا لذیذ گوشت ہوتی ہے

علماء فن نے الوانِ حیواں میں پھر مزید غور و فکر کے بعد ایک دوسری عقل سے زیادہ قریب یہ تعلیل بیان کی کہ:-

اگر کسی ہرنی کے دو بچے پیدا ہوں اور ایک کا رنگ مکان پیدائش کے ہمرنگ ہو اور دوسرے کا اس کے خلاف، تو راجح یہی ہے کہ شیر اسی بچے کو دیکھ سکیگا اور اس پر حملہ بھی کرے گا جس کا رنگ اس زمین کے رنگ کے خلاف ہوگا، دوسرا بچہ اس قسم کے خطرات سے بالکل محفوظ رہیگا۔ یہیں سے اس قول کی تصدیق کیجاتی ہے کہ حیوان کا رنگ جو مکان کے مشابہ ہوتا ہے وہ دراصل اسکی حفاظت کا ایک طبیعی سلاح ہے لیکن اسکا یہ منشا نہیں ہے کہ جو حیوانات اون مکان کے ہمرنگ ہوتے ہیں وہ کلیتہً اپنے اعداء کی چیرہ دستیوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ بلکہ اس سے یہ مراد ہے کہ اس قسم کے حیوانات ان حیوانات کے مقابلہ میں جن کا رنگ مکان کے مخالف ہوتا ہے البتہ خطرات سے مامون ہوتے ہیں، ماہرین فن کے نزدیک اس سلاح کو انتخاب طبیعی سے تعبیر کیا جاتا ہے؟

مگر حقیقت میں یہ تعلیل بھی مسئلہ کے تمام حقایق و معارف کی پردہ کشائی نہیں کرتی، ابھی تک نفس مسئلہ کی یہ پہلی گرہ بھی نہ کھل سکی کہ حیوانات کا رنگ شروع میں کیونکر متغیر ہوتا ہے؟ اور پھر کن کن تبدیلیوں کے بعد کیونکر وہ مکان کے ہمرنگ ہوجاتا ہے؟ اگر اصل میں اسکی کوئی طبیعی علت ہے تو ضروری ہے کہ وہ علت اس کے نسل میں بھی کارفرما ہو،

علامہ ڈرئس ماہر طبیعیات نے اس موضوع پر ایک استقرائی بحث کی تو انکو معلوم ہوا کہ جن پرندوں میں اوقات معلومہ کے اندر قوۃ حیاۃ بڑھتی رہتی ہے وہ دوسرے پرندون کے مقابلہ میں زیادہ رنگین اور خوبصورت ہوتے ہیں، عرصہ دراز سے ہمکو یہ معلوم ہے کہ بعض حیوانات کے رنگ جاڑونیں زائل ہوجاتے ہیں تو اسکی بھی بڑی وجہ ان حیوانات میں قوۃ حیات کا ضعف ہے

بعض محققین خرگوش کو ایسے پہاڑوں پر لیگئے جو ساحل بحر سے تقریبًا ۹۵۰۰ قدم اونچے تھے۔ اور وہان ان کے بچونکی سات سال تک مسلسل پرورش کی تو انکو ثابت ہوا کہ ان بچوں کے اجسام کچھ چھوٹے ہوگئے اور ان کا رنگ سفید اور خونمیں ایک کیمیاوی تغیر پیدا ہوگیا یعنی خونمیں لوہے کا عنصر زیادہ بڑھگیا، اور جذب آکسیجین کی طاقت بھی زیادہ ہوگئی اگر ان خرگوشون کی یہ نسل زیادہ دنون تک وہاں رہتی تو یہ تغیر اور زیادہ نمایاں ہوجاتا اور خرگوش کی ایک نئی صنف پیدا ہوجاتی لیکن یہ عظیم الشان انقلاب محض فعل مکان کیوجہ سے ہوتا کسی دوسرے سبب سے نہیں، مختصر یہ کہ قوۃ حیاۃ کی زیادتی الوان کو زیادہ اور اس کا نقص الوان کو کم کردیتا ہے۔ اور شاید مرغ کی رنگینی و خوبصورتی کا اصلی راز بھی قوۃ حیاۃ کی فراوانی ہے

بعض لوگون نے ثابت کیا ہے کہ حیوان کا رنگ، غذا کے رنگ پر موقوف ہوتا ہے وہ اپنے دعوی پر یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ بعض دریاؤنمیں جو گھاس بینڈک اور گھونگھے کثرت سے کھاتے ہیں، وہ قرمزی رنگ کے ہوتے ہیں، اور بعض لوگ جو کیڑون کو رنگین غذائیں کھلاتے ہیں اس کا منشا صرف انکو رنگین بنانا ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ انھی رنگونمیں رنگ بھی اٹھتے ہیں، لیکن اس ترکیب کا اثر صرف حیوانات صغیرہ تک محدود ہے۔ حیوانات کبیرہ میں اس کا کوئی اثر نہیں ظاہر ہوتا یا بڑے حیوانات مین اسکی تاثیر دوسرے موثرات کے فعل کے ساتھ مختلط ہوجاتی ہے، اس لئے اس کا نتیجہ ظاہر نہیں ہوتا

بہتیروں نے اس حقیقت کا بھی سراغ لگایا کہ جو مچھلیاں کچھ دنوں کسی دریا میں رہی ہوں اور کچھ دنوں کسی نہر میں تو ان کا رنگ محض اختلاف نور کیوجہ سے بدلجاتا ہے۔ جب پانی کم اور صاف ہوتا ہے اور اسمیں روشنی بخوبی پہونچتی ہے تو مچھلی کا رنگ سفید

ہوتا ہے پھر جب وہ زیادہ گہرے اور سیاہ پانی میں چلی جاتی ہے تو اسکا رنگ مکدر ہو جاتا ہے، اس مقام پر دیکھو انتخاب طبیعی کا کوئی محل نہیں ہے، بلکہ مچھلی کے رنگ میں محض اختلاف نور کی وجہ سے تبدیلی آگئی ہے

ماہرین فن کو یہ حقیقت معلوم ہو چکی ہے کہ جو چھوٹی مینڈک نبات اور اشجار کی ڈالیوں پر رہتی ہے، وہ سبز پتیوں میں سبز ہوتی ہے۔ اور جب اسکو زمین پر یا گندم گون پتیوں پر رکھدیا جائے تو اس کا رنگ گندمی ہو جاتا ہے۔ نیز اس قسم کا تغیر گرگٹ وغیرہ میں زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔ بعض علماء نے مینڈک کے رنگ کے تغیر کے اسباب سے بحث کی تو انکو معلوم ہوا کہ مینڈک کے جسم میں جو خلیات کے تین طبقے ہیں۔ طبقہ اسفل میں سیاہ، طبقۂ متوسط میں اصفر اور طبقہ اعلیٰ میں ازرق رنگ ہوتا ہے اور ان تینوں طبقات سے اوپر ایک رقیق اور شفاف پردہ منڈھا ہوتا ہے۔ جب مینڈک اشجار و نبات کی پتیوں پر ہوتا ہے تو اصفر اور ازرق کے امتزاج سے اخضر رنگ پیدا ہوتا ہے۔ اور جب وہ زمین یا کسی تاریک چیز پر رکھدیا جاتا ہے تو طبقۂ اسفل کا سیاہ رنگ ظاہر ہوتا ہے، اسی طرح گرگٹ کے جسم میں بھی مختلف خلیات ہوتے ہیں وہ بھی جب نبات سبز پر ہوتا ہے تو اس کا رنگ سبز ہو جاتا ہے۔ اور جب سرخ رنگ کی شاخوں پر چلتا ہے تو اس کا رنگ سرخ ہو جاتا ہے اور جب اسکو کسی برتن کے نیچے سطح بند کر دیا جائے کہ وہاں کسی ذریعہ سے روشنی نہ پہونچ سکے تو اس کا رنگ سیاہ ہو جاتا ہے، اس تغیر کا سبب یا تو کوئی عصبی فعل ہے جو مختلف رنگ کے حویصلات پر موثر ہوتا ہے یا اس کا سبب محض نور ہے۔ ماہرین فن کے نزدیک دوسرا سبب زیادہ مرجح ہے

بعضوں نے ثابت کیا ہے کہ جس مچھلی کا رنگ پانی کے تغیر کے ساتھ متغیر ہو گیا ہو اگر وہ اندھی ہو جائے تو پھر پانی کا رنگ بدلتے پر بھی کبھی اس مچھلی کا رنگ نہ بدلے گا، یہ حقیقت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ نور، پہلے عصب بصر پر موثر ہوتا ہے، پھر اسکی تاثیر ان اعصاب کی طرف منتقل ہوتی ہے جن کے ذریعہ حویصلات ملونہ میں انبساط یا انقباض پیدا ہوتا ہے۔ بعض محققین کی یہ تحقیقات ہے کہ نور بلا کسی واسطہ کے مباشرۃً بھی حویصلات پر موثر ہوتا ہے، چنانچہ انھوں نے تجربتاً ایک مینڈک کو تاریکی میں رکھا اور جب وہ سیاہ ہو گئی تو اس کے بدن پر مختلف جگھوں میں سیاہ کاغذ کے ٹکڑے لپٹا دئے اور روشنی میں انکو رکھا تو کاغذ کی جگھوں کے سوا پوری جلد سبز ہو گئی، بعض علماء نے مزید تجربہ کیلئے سبز مینڈکوں کی آنکھیں نکال لیں، اور انکو ایک تاریک مکان میں رکھا تو ان کا رنگ فوراً سیاہ ہو گیا پھر جب سبز شاخیں ان کے پاس لائی گئیں تو ان کا رنگ سبز ہو گیا۔ اس تجربہ سے یہ ثابت ہوا کہ جو اخضر نور اوراق سبز سے منعکس ہوتا ہے وہ ایک مخصوص تاثیر کے ساتھ اعصاب جلد میں موثر ہوتا ہے۔ چاہے اسکو مینڈک دیکھے یا نہ دیکھے

اس کے علاوہ علماء کے اور بہت سے مباحث ہیں جو اس حقیقت پر دلالت کرتے ہیں کہ طعام و مکان یہ دونوں حیوانات کے رنگوں میں بہت زیادہ موثر ہیں۔ نیز مزید تحقیقات کا سلسلہ ابتک برابر جاری ہے۔ امید ہے کہ عنقریب وہ اس مسئلہ کے بہت سے غوامض و مشکلات اسرار و رموز کا انکشاف کریں گے۔

بدر اصلاحی

رسالہ عصمت دہلی

شریف بیگمات کے لئے ہندوستان بھر کا بہترین رسالہ ہے

اسی لئے

ہندوستان بھر کے تمام زنانہ رسائل واخبارات میں سب سے زیادہ اشاعت رکھتا ہے

عصمت - اکیس سال سے کامیابی کے ساتھ شائع ہو رہا ہے اور امراء، روساء، و شرفاء کے طبقہ میں قابل رشک مقبولیت و وقعت حاصل کر چکا ہے اور شریف کنواری بچیوں کو آنکھ بند کر کے دیا جاتا ہے -

ہندوستان کے سینکڑوں رسالوں میں صرف عصمت کو یہ فخر حاصل ہے کہ **علامہ راشد الخیری** مدظلہ کے گراں بہا مضامین اور افسانے قریب قریب ہر ماہ شائع کرتا ہے -

ہندوستان بھر میں صرف عصمت وہ رسالہ ہے جس کی مضمون نگار خواتین ہندوستان کے ہر حصہ میں کافی تعداد میں موجود ہیں -

عصمت کے دستکاری وخانہ داری پر مفید مضامین، تمدنی معاشرتی، تعلیمی بحثیں عصمت کے سبق آموز ونتیجہ خیز افسانے - موثر و دلاویز نظمیں ادب اردو میں امتیازی شان رکھتی ہیں -

عصمت مضمون نگار خواتین کو نہایت معقول انعامات ہر سال تقسیم کرتا ہے -

عصمت - اردو کے مقتدر رسالوں میں سب سے زیادہ تصاویر شائع کرتا ہے -

اردو کے تمام رسالوں میں صرف عصمت کا ٹائٹل پیج ۲ رنگین بلاکوں کا نہایت خوبصورت چھپتا ہے -

عصمت کی اشاعت میں کبھی ایک دن کی بھی دیر نہیں ہوتی، نہایت پابند وقت رسالہ ہے - ہمیشہ ۳۰ تاریخ کو شائع ہو جاتا ہے -

عصمت اردو کے تمام زنانہ رسالوں سے زیادہ مضامین ہر ماہ شائع کرتا ہے - بھرتی کے مضامین اس میں درج نہیں کئے جاتے -

سالانہ چندہ مع محصول ڈاک پیشگی صرف پانچ روپے (صر)

قسم دوم بے تصویر، معمولی ٹائٹل اوسط درجہ کا کاغذ - صرف تین روپے چھ آنہ (۳؍۶)

قسم خاص تمام رسالہ آرٹ کاغذ پر چھپتا ہے سالانہ چندہ دس روپے (عہ) فی پرچہ عہ

سالانہ خریداروں کے ساتھ رعایت

اگر اس وقت آپ عصمت کے سالانہ خریدار ہو جائیں تو آپ کو یہ فائدہ ہوگا کہ عصمت کا مشہور شاندار جوبلی نمبر جس کی قیمت ۱۲؍ ہے آپ صرف ۸؍ میں علاوہ محصول ڈاک حاصل کر سکتے ہیں اور سالگرہ نمبر ۱۹۲۵ء جس کی قیمت ۱۲؍ ہے صرف ۸؍ میں - مگر بہت کم پرچے باقی ہیں اس لئے جلدی کیجئے -

اردو رسائل کے خاص نمبروں میں عصمت کے خاص نمبر امتیازی شان رکھتے ہیں

مینجر عصمت کوچہ چیلان دہلی

از علامہ راشد الخیری

جوہرِ عصمت

۱۳ سبق آموز فسانے

(۱) منظلوم بیوی کا پاک جذبہ عرفان ایک شریف و معزز خاندان کا شخص بُری صحبتوں کی وجہ سے لاکھ کا گھر خاک کر کے جیلخانہ پہنچنے والا ہوتا ہے کہ منظلوم بیوی کی کوششوں سے اس طرح رہائی حاصل کرتا ہے کہ پڑھنے والے دنگ رہ جاتے ہیں۔

(۲) بھنور کی دلہن۔ بلوچی قوم کے مرد و عورت کے عمیق کیرکٹر ازدواج ثانی پر نہایت موثر بحث، محبت کا جواب اور انتقام بے انتہا دلاویز افسانہ۔

(۳) اگلی محبتیں ہزاروں برس پہلے کے تمدن کا ایک دلچسپ مرقع شجاعت جاں نثاری، دوستی، وفاداری اور سچی محبت کے حیرت انگیز مناظر

(۴) فسانۂ تنویر، ملکہ تنویر کی درد و غم بھری کہانی۔

(۵) بیگناہ مقتول محبت کی چوکھٹ پر کسان لڑکی کی قربانی۔

(۶) سجاد کا کینہ۔ دولت و عصمت کا مقابلہ

(۷) مامون الرشید کا دربار اور ایک سچی عورت۔

(۸) عدل جہانگیری۔ شہنشاہ جہانگیر کا انصاف۔

(۹) بلبل کی شہادت (۱۰) ملکہ شہزاد (۱۱) برقع کی مستحق (۱۲) غلط فہمی (۱۳) خاتمہ بالخیر۔ قیمت عہ

سیلاب اشک یا تصویر

۷۔ درد انگیز فسانے

(۱) پرستار محبت عورت کا دل وفا و محبت کے خزانے سے مالا مال ہے یہ سبق آموز افسانہ جو کٹر سے کٹر انسان کی آنکھیں نمناک کر دیگی۔ اس کا ثبوت ہے اور بے انتہا مقبول ہوا ہے۔

(۲) بلوچن کے تین رنگ ایک خوددار لڑکی کی وفاداری انتقام اور احسان کے جوہر دکھا کر محو حیرت کر دیتی ہے۔

(۳) طلاقن کا سفید بال میاں بیوی کے تعلقات کیا چیز ہیں خودداری اور ایثار کسے کہتے ہیں، ضمیر و ایمان کیا کام کرتا ہے اس فلسفیانہ نہایت درد انگیز افسانے سے معلوم ہوگا جس نے کتنے ہی گھر تباہی سے بچا لئے

(۴) حج اکبر جس سے معلوم ہوگا کہ ماں کا دل کس محبت سے لبریز ہوتا ہے اور سچی محبت کسے کہتے ہیں۔

عدل گلبدن۔ شہنشاہ بابر کی لخت جگر شہزادی گلبدن کی شجاعت عدل و کرم احسان و عفو کے حیرت انگیز کارنامے۔

بے قصور رکھی۔ بے انتہا موثر افسانہ۔

ثریا کا تخیل۔ ہر افسانے کیساتھ زر کثیر صرف کر کے فوٹو بلاک کی تصاویر لگائی گئی ہیں، جو مشہور مصور مسٹر سیج نے تیار کی ہیں۔

قیمت ایک روپیہ چار آنہ

رواج کی چوکھٹ پر منظلوم عورتوں کی قربانیاں

مصورِ غم علامہ راشد الخیری کی لکھی ہوئی دل ہلا دینے والی مندرجہ ذیل کہانیاں

محروم وراثت	رواج کی بھینٹ	اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے	میں نے کیا دیکھا
نئی دلہن	کلنگ کا ٹیکا	سوتیلی ماں کا آخری وقت	تفسیر عبادت
بیوی کی صحنک	توصیف کا خواب	شہید معاشرت	طوفان اشک

یہ وہ عبرت انگیز افسانے ہیں جن کا ہندوستان بھر میں ڈنکا بج چکا ہے علامہ محترم نے ان افسانوں میں جادو کیا ہے کہ سنگدل سے سنگدل انسان بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ان افسانوں کے مجموعہ کا نام طوفانِ اشک ہے قیمت صرف عہ (ایک روپیہ)

دلی کے کھنڈروں سے ایک صدا

شاہجہاں آباد اجڑ چکا مگر اس کے کھنڈر اب تک سننے والوں کے کانوں کو سنا رہے ہیں اور شہر کے در و دیوار اس وقت بھی اپنے بہاروں کا مرثیہ پڑھ رہے ہیں آج سے ستر سال پہلے دلی کیا تھی بادشاہ کا جلوس قلعہ معلی کی بہاریں، شاہی جمگھٹے میلے تماشوں کے رنگ دربار کی کیفیت قطب صاحب کے مقبرے، پیر غیب، شاہ بڑے اور کوٹلہ کے جشن، شہر آبادی کی چہل پہل، ہندو مسلمانوں کی معاشرت رمضان عید، سلونو، سالگرہ کے تزک و احتشام، شادی بیاہ کی رسوم غرض دور گذشتہ کی بہار اگر دیکھنی ہو تو مصور غم علامہ راشد الخیری مدظلہ کی معرکتہ الارا تصنیف۔

نوبت پنج روزہ

یعنی **وداع ظفر** ملاحظہ فرمائیے جس میں آخری تاجدار مغلیہ کی پانچ نوبتیں اس قدر درد انگیز پیرایہ میں لکھی گئی ہیں کہ خون کے آنسو رلوا دیتی ہیں پانچویں نوبت وہ ہے جب دلی نے بادشاہ کو وداع کیا غدر ۱۸۵۷ء کے واقعات، مخبروں کا ظلم، مظلوموں کی حالت زار مردوں کی بربادی، عورتوں کی تباہی، اور بادشاہ کی پیہم مصائب ناممکن ہے کہ آپ آنسو بہائے بغیر پڑھ سکیں، بادشاہ کی تصویر اور تین نادر عکسی تحریریں بھی دی گئی ہیں نوبت پنج روزہ دور حاضرہ کی مایہ ناز اردو مصنف کی بہترین تصنیف ہے اور دوسرا ایڈیشن نکل رہا ہے اگر آپ نے منگانے میں جلدی نہ کی تو یقیناً دوسرے ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑے گا۔ کاغذ لکھائی چھپائی ہر چیز نفیس قیمت صرف عہ

قسم خاص نہایت اعلیٰ دبیز چکنے ولایتی آرٹ کاغذ پر چھپی ہے قیمت عہ

صبح زندگی شام زندگی شب زندگی

زمانہ لٹریچر کی وہ غیر فانی کتابیں جتنی زیادہ مقبولیت کسی اردو کتاب کو گذشتہ پچاس سال میں نہیں ہوئی آٹھ سال میں پچاس ہزار سے زیادہ فروخت ہو چکی ہیں اور آج بھی مانگ کا وہی حال ہے علامہ راشد الخیری مدظلہ کی وہ بے مثل تصانیف ہیں جنہوں نے ہزاروں بگڑے ہوئے گھرانے بنا دئیے سینکڑوں مردوں عورتوں کو پتھر سے ہیرا جانور سے انسان کر دیا ہے ہر شخص کو تمام عمر میں ایک دفعہ تو ضرور ہی مطالعہ کرنا چاہئے اردو زبان ان کتابوں پر قیامت تک ناز کرے گی۔

صبح زندگی نیک کردار بیٹی کے حالات نہایت دلچسپ پیرایہ میں لڑکیوں کی تربیت پر صبح زندگی سے بہتر کتاب آجتک اردو میں نہیں لکھی گئی، صبح زندگی کا ایک ایک حرف موتیوں میں تولنے کے لائق ہے۔ قیمت عہ

شام زندگی قصہ کے پیرایہ میں موثر انداز میں بتاتی ہے کہ عورت کو کیسا ہونا چاہئے مرد اور عورت یعنی میاں اور بیوی دونوں اسے پڑھیں پھر بچیوں کو پڑھائیں علاوہ مفید ہونے کے دلکش اتنی ہے کہ چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا۔ قیمت عہ

شب زندگی صبح زندگی اور شام زندگی تیسرا حصہ اصلاح نسواں کے سلسلہ میں علامہ محترم کی سب سے بہتر تصنیف ہے جن لوگوں نے اب تک اس کا مطالعہ نہیں کیا وہ ضرور منگائیں۔ عالم بالا کی سیر، نیک و بد روحوں کا درد انگیز سبق آموز مطالعہ عہ

انگوٹھی کا راز

علامہ راشد الخیری کی مشہور تصنیف جسے حضرت مصنف نے نظرثانی اور جدید اضافہ کر کے تیسری مرتبہ عمدہ کاغذ پر عصمت بک ایجنسی نے شائع کیا ہے انگوٹھی کا راز تین مختلف الخیال لڑکیوں کا سبق آموز افسانہ ہے جسے پڑھ کر کہیں آنکھیں ڈبڈبا آتی ہیں تو کہیں ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جاتے ہیں رابعہ کا عبرت انگیز انجام اور سلامی کی جگر خراش داستان اثر کئے بغیر نہیں رہتی صفیہ کی مشکلات کو انگوٹھی کا راز اس خوبی سے حل کرتا ہے

منیجر عصمت دہلی

الزہرا

ازعلامہ راشد الخیری مدظلہٗ

بنت الرسول خاتونِ جنت حضرت بی بی فاطمہ کی اردو زبان میں بہترین سوانحعمری تاریخ میں بیش بہا اضافہ کے علاوہ الزہرا بتاتی ہے کہ میاں بیوی کس طرح رہتے ہیں مائیں بچوں کو کس طرح پالتی ہیں دنیا کے ساتھ دین کیونکر میسر آتا ہے واقعات بقدر درد انگیز کہ پڑھتے پڑھتے ہچکی بندھ جاتی ہے خاتمہ پر واقعہ کربلا پر بحث۔ آٹھواں ایڈیشن قیمت عمر

اُمّت کی مائیں

ازعلامہ راشد الخیری مدظلہٗ

رسول اکرم صلعم کے ازواج مطہرات کے مختصر مگر مکمل حالات جو مسلمان مردوں عورتوں کو دین و دنیا میں کامیابی کا صحیح رستہ بتاتی ہے کثرتِ ازدواج پر اس قدر معقول بحث ہے کہ غیر مسلم بھی تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ہر مسلمان خاتون کی لائبریری میں یہ کتاب ہونی ضروری ہے

قیمت صرف عمر

منازل السائرہ

ازعلامہ راشد الخیری مدظلہٗ

یہ وہ مشہور تصنیف ہے جو یونیورسٹیوں کے کورس میں داخل ہے۔ جس پر مشہور اخبارات نے بڑے شاندار ریویو کئے تھے ایک لڑکی کی پیدائش سے موت تک کے تمام واقعات اس قدر دلچسپ پیرایہ میں لکھے گئے ہیں کہ بار بار پڑھنے پر انسان مجبور ہوتا ہے۔ حصہ اول عہ دوم عمر

قیمت مکمل۔ دو روپے (عا)

بنت الوقت

ازعلامہ راشد الخیری مدظلہٗ

ہماری مستورات کی موجودہ تعلیم و تربیت کا بھیانک رنگ آجکل کی مہذب بیبیوں کی لاثانی تصویر وقت کی اندھا دھند تقلید کرنیوالی ایک ناعاقبت اندیش لڑکی کا عبرت انگیز انجام تعلیم نسواں کے سلسلہ میں اس کتاب کا مطالعہ اشد ضروری ہے۔ چھ دفعہ چھپ چکی ہے۔ قیمت صرف ۸ر (آٹھ آنہ)

سراب مغرب

ازعلامہ راشد الخیری مدظلہٗ

تعلیم نسواں کے مسئلہ میں غیر مسلم ذرائع سے مستفید ہونا کہاں تک جائز ہے اس موضوع پر علامہ محترم کی معرکۃ الآرا تصنیف تقلید مغرب کے دردناک نتائج پارٹیز کا حشر فیشن جدید کا عبرتناک انجام، ماں باپ کی ناعاقبت اندیشی کی وجہ خاندان سادات کی بدنامی، ایسے ایسے باب ہیں کہ آنسو نکل پڑتے ہیں قیمت ۸ر

سات روحوں کے اعمالنامے

ازعلامہ راشد الخیری مدظلہٗ

دنیا کے سات بہترین کیرکٹر انسانی زندگی کے ہر شعبہ سے بحث، اس قدر دلچسپ قصہ کہ کئی بار پڑھئے کہیں روتے روتے ہچکی بندھ جائے کہیں ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جائیں۔ ہندوستان میں اسلام کا انجام اور مسلمانوں کی دورِ معاشرت کے دل ہلا دینے والی تصویریں۔ چھ دفعہ چھپ چکی ہے۔ قیمت ۸ر

فسانہ سعید

ازعلامہ راشد الخیری مدظلہٗ

بیوہ کا نکاح ثانی اسلام کا حکم ہے مگر سعید کا دوسرا نکاح مولانا نے جس قابلیت بے سود ثابت کیا ہے وہ حق رکھتا ہے کہ ہر مسلمان اس کتاب کو پڑھے سعید کی جگر خراش داستان دل ہلا دیگی، سنگدل باپ کی بچی پر وہ ستم توڑے کہ کلیجہ منہ کو آتا ہے سوتیلے رشتوں پر نہایت سبق آموز کتاب

قیمت صرف ۸ر (آٹھ آنہ)

نوحۂ زندگی

ازعلامہ راشد الخیری مدظلہٗ

بیوہ کے نکاح ثانی پر علامہ محترم کی مشہور تصنیف رسم و رواج میں پھنسکر مسلمان کس طرح تباہ ہوئے اس کتاب سے معلوم ہوگا یہاں ایسا قبرستان ملے گا جہاں عصمت کی لاج رکھنے والی بیوی اور عزت پر قربان ہونیوالی مائیں دائیں بائیں اپنے معصوم بچوں کو لئے گہری نیند سو رہی ہیں۔ نہایت موثر کتاب ہے۔

ساتواں ایڈیشن قیمت صرف ۱۲ر

اندلس کی شہزادی

ازعلامہ راشد الخیری مدظلہٗ

جس کا دوسرا نام تائید غیبی بھی ہے مسلمانوں کی بتاتی ہے سرزمین اندلس پر وہ کیا کر چکے ہیں کس طرح انہوں نے ترقی کی اور کیونکر اپنے اعمال سے فنا ہوئے قصہ بے انتہا دلچسپ کبھی آنکھ سے آنسو نکل پڑیں کبھی بے ساختہ ہنسی آجائے بڑی عمر کی عورتوں اور مردوں کے لئے ہے۔

قیمت صرف ۸ر

تفسیرِ عصمت

از علامہ راشد الخیری مدظلہٗ

خلع اور ارتداد پر معرکتہ الآرا افسانہ
...اس قدر دلچسپ قصہ کہ بار بار پڑھیے، اس قدر دردناک
...کہ آنکھ سے آنسو نکل پڑیں اس کے ساتھ اس قدر پرلطف
...کہ ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جائیں ہر مسلمان مرد
اور ہر مسلمان عورت کو مطالعہ کرنا چاہیے اردو زبان
میں اس قدر اعلیٰ درجہ کی افسانہ بہت کم ہیں

قیمت صرف ۶/

ستونتی

از علامہ راشد الخیری مدظلہٗ

شوہر پرستی پر نہایت دلچسپ اور سبق آموز افسانہ
وفا ایثار مذہبی تعلیم کے اثرات کا حامل کتاب۔
ستونتی میں ملاحظہ فرمایئے مولینے اعلیٰ کیرکٹر نے آپکو
محو حیرت کر دیگی مقبولیت کی یہ کیفیت ہے کہ ہاتھوں
ہاتھ تین ایڈیشن نکل گئے نہ صرف کنواری لڑکیوں اور
شادی شدہ عورتوں کے لئے بلکہ مردوں کے لئے بھی
بہت مفید ہے۔ قیمت صرف ۸/

امین کا دم واپسیں

از علامہ راشد الخیری
شہنشاہ ہارون الرشید کے لخت جگر اور ملکہ
زبیدہ خاتون کے لعل شہزادہ امین الرشید کا
دردناک قتل اسلامی تاریخ کا ایک یونہی دردانگیز
واقعہ ہے اس پر مصور غم نے قیامت توڑ دی ہے
قصہ کے پیرایہ میں مامون الرشید اور زبیدہ
کے حالات لکھے ہیں۔ لکھائی چھپائی نہایت
عمدہ دیدہ زیب ہے۔ قیمت ۱۲/
محصولڈاک بذمہ خریدار

قلبِ حزیں

از علامہ راشد الخیری مدظلہٗ

حضرت علامہ راشد الخیری مدظلہ کے نہایت لطیف چھوٹے چھوٹے
...دلاویز ادبی مضامین۔ محبت کا تاج، تو، جوتی کا جوڑا، شوہر کی قبر،
...داستانِ ستم، ابدی زندگی، فلسفۂ موت، جذبۂ نسوانی، بہارِ شب کا
...خاتمہ، ابوسعید، دم واپسیں، عالم خیال وغیرہ۔ طرزِ تحریر اتنا پیارا اور
...دلکش کہ ایک ایک فقرہ اور ایک ایک جملہ حفظ کرنے کو جی چاہے۔
...فطرت نسوانی کی ترجمانی اس کمال کے ساتھ کی گئی ہے کہ ہر فقرہ دل کے
...پار ہوتا ہے۔ ان مضامین میں شاعری کی گئی ہے قیمت ۸/

گلدستۂ عید

از علامہ راشد الخیری مدظلہٗ

عید کی دعا، عید کا کرتہ، عید کی خوشی، ام جعفر کی عید، چہار عالم ترکن ما
بچاس برس پہلے کے مسلمانوں کے تہوار، کنواری بچی کی عید، دوگانہ عید وغیرہ وہ
...سبق آموز افسانے اور مضامین جنکی ہندوستان بھر میں دھوم مچ چکی ہے دل اور
...اثنا اگر تمہارے پہلو میں ہے تو یہ مضامین پڑھو جن میں عید کے روز مسلمان عورتوں
...نے عبرت کا دردانگیز پیام پہنچایا ہے، سچی محبت کسے کہتے ہیں دنیا کی کٹھن منزلیں
کس طرح طے کی جاتی ہیں۔ گلدستۂ عید میں دیکھو جو ہر وقت پڑھنے سمجھنے
اور غور کرنے کی چیز ہے۔ قیمت ۱۲/

گڑیا کی سرگذشت

از علامہ راشد الخیری مدظلہٗ

...گو وہ مرتی تو دہا بھی نہ تھا فیشن اور جدت کی دلدادہ
ایک انگریزی خاتون کی زندگی کے حالات خود اسی کی زبانی
مغربی معاشرت کا نہایت کامیاب مرقع۔ یورپین
میاں بیوی کے تعلقات کا ہو بہو فوٹو نہایت دلچسپ
اور پرلطف قصہ قیمت صرف ۴/

بچہ کا کرتہ

از علامہ راشد الخیری مدظلہٗ

ایک عاشق زاہد بعیب ان دل کی لگی کے کارن
جوان بچے کے لئے کیسی مصیبتیں اٹھاتی ہے اور
اس محبت کا دنیا کیسا عبرت انگیز جواب دیتی
ہے یہ دردانگیز افسانہ سے معلوم ہوگا۔
قیمت صرف ۴/

منازلِ ترقی

از علامہ راشد الخیری مدظلہٗ

انسان ترقی کی دھن لیڈری کے شوق اور دولت
کے نشہ میں اخلاق انسانیت اور مذہب کو تج کر
غریب لاوارثوں پر کیسے کیسے ظلم ڈھاتا ہے۔
دل لشیرن دونوں میاں بیوی کے کیرکٹر نہایت
دلچسپ ہیں۔ قیمت ۴/

مظلوم عورتوں کی جگر خراش صدائیں

جن سے دل درد مند تڑپ اٹھیں گے ان درد انگیز نظموں سے بلند ہوئی جو علامہ راشد الخیری مدظلہ نے حقوق نسواں کی حمایت و حفاظت میں دلکش و نوشتا تحریر فرمائیں، مظلوم حسینہ، روضہ اقدس پر سرخاب کا دم واپسیں اسلم کا خط شوہر کے نام، التجائے قیصر، بیٹیوں کی فریاد، بچپن کی یاد، عید کا کرتہ، یتیم بچی کا تخیل وغیرہ معمولی نظمیں نہیں بے کس و مظلوم عورتوں کے دل سوز نالے

اس کتاب کا نام

روداد قفس

ہے

اور اب پانچویں مرتبہ چھپی ہے قیمت ۱۲؍

تمغۂ شیطانی

از علامہ راشد الخیری مدظلہ

وہ بیمثل مشہور افسانہ جو جنوری ۱۹۲۸ء سے عصمت میں مسلسل نکل رہا تھا اور اب کتابی صورت میں چھاپا گیا ہے حضرت علامہ محترم نے اسلام کو جن سائنٹفک اصولوں پر پیش کیا ہے اردو لٹریچر میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی جن مسلمانوں نے سمجھ کر علامہ محترم کی کتابوں کو پڑھا یقیناً اسلام ان کے دلنشین ہوگیا اور ہزاروں گھر تباہی اور بربادی سے بچ گئے۔ تمغۂ شیطانی میں دست شیطانی کے آٹھ بے مثل کیرکٹر ہیں۔ اور ہر کیرکٹر ہندوستانی مسلمانوں کی معاشرت کا ہو بہو فوٹو ہے افسانہ کی دلچسپی کی یہ کیفیت ہے کہ شروع کرکے ختم کئے بغیر نہیں رہا جاسکتا، ناگڑے والی بہری خانصاحب، ملاجی وغیرہ کے حالات پڑھکر مارے ہنسی کے پیٹ میں بل پڑجاتے ہیں اور ردو اخر باب میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا۔ ناممکن ہے کہ آنکھ سے آنسو نہ نکل پڑیں۔ تمغۂ شیطانی بے انتہا دلچسپ اور بے حد سبق آموز اور عبرت انگیز افسانہ ہے کاغذ چھپائی لکھائی اعلیٰ درجہ کی۔ قیمت صرف ۱۲؍

مینیجر عصمت دہلی

نانی عشو

از علامہ راشد الخیری مدظلہ

علامہ محترم کا نہایت پر لطف قصہ جس کی قسطیں ابھی رسالہ عصمت میں چھپی ہی تھیں کہ تمام ملک میں دھوم مچ گیا۔ اس قدر پر لطف قصہ کہ ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑجاتے ہیں اور بار بار پڑھنے پر بھی طبیعت سیر نہیں ہوتی نانی عشو کا کیرکٹر نہایت دلفریب ہے نانی عشو کے ساتھ ایسے ہی ظرافت آمیز مگر نتیجہ خیز ۳ اور قصہ ہیں۔ ہاتھوں ہاتھ ۳ ایڈیشن ڈیڑھ سال میں نکل چکے ہیں۔ قیمت ۱۰؍

شہید مغرب

از علامہ راشد الخیری مدظلہ

درد انگیز مضامین افسانے یورپ مسلمانوں پر ہولناک مظالم اگر سیاسیات سے آپ کو دلچسپی ہے اگر جوش ایمانی اور حب وطنی کا دریا آپ کے سینہ میں موجزن ہے اگر ادب اردو کی چاشنی کا لطف اٹھانا چاہتے ہیں تو

شہید مغرب

کا مطالعہ کیجیے۔ کاغذ چھپائی وغیرہ عمدہ

قیمت صرف ۱۲؍

وداعِ خاتون

جنت مکانی محترمہ خاتون اکرم اگر ایک طرف تمام ملک کی مایہ ناز انشاپرداز تھیں جنکی ادبی قابلیت پر بڑے بڑے مرد رشک کرتے تھے۔ تو دوسری طرف بہ حیثیت عورت کے اس قدر اعلیٰ کیرکٹر کی بی بی تھیں کہ ان کے اعزا آج بھی ان کی یاد میں خون کے آنسو گرا رہے ہیں حضرت علامہ راشد الخیری مدظلہ نے مرحومہ کے انتقال پر جو قیامت انگیز مضامین تحریر فرمائے ہیں **وداع خاتون** کے نام سے شائع ہوئے ہیں جو بتائینگے کہ بہو کیسے کہتے ہیں اور لڑکی شادی کے بعد کس طرح سسرال والوں کے دل فتح کرسکتی ہے۔ وداع خاتون کا ایک ایک فقرہ درد و اثر میں ڈوبا ہوا ہے۔ ناممکن ہے کہ اسے پڑھکر آنسوؤں کی جھڑیاں نہ شروع ہوجائیں۔

محصول ڈاک بذمہ خریدار

قیمت صرف ۶؍

ملنے کا پتہ: مینیجر عصمت کوچہ چیلان دہلی

فخر نسوان ہند محترمہ خاتون اکرم جنت مکانی کی بے مثل تصانیف

جن سے اردو لٹریچر میں گراں بہا اضافہ ہوا ہے

جمالِ ہمنشیں

یہ اس محترم خاتون کے دلآویز مضامین ہیں جن کی مضمون نگاری کا ہندوستان بھر میں ڈنکا بج چکا ہے جو تعلیم یافتہ خواتین کے محبوب ترین انشا پرداز تھیں جن کے فلسفیانہ خیالات نے جن کے درد و اثر میں ڈوبے ہوئے طرز تحریر نے بڑے بڑے قابل مردوں سے خراج تحسین وصول کیا تھا۔

جمال ہمنشیں مندرجہ ذیل مضامین کا مجموعہ ہے

انی زندگی	تغیرات زندگی	نیرنگی زمانہ	اجل
عالم نزع	عبرت گاہ دنیا	غم	موسم بہار
ساون	پھول	رمضان	عید
ڑکی زندہ ہستی	شمع ہدایت	کسی کی یاد	وعدہ وفائی
نسی مذاق	خوشی کا دن	خدا کی مصلحت	تعزیت نامہ

ڈن ڈیلی میل کی رائے: جمال ہمنشیں کی اردو صاف و رواں ہے اور کتاب نہایت دلچسپ ہے

بار ہمدرد کی رائے: جمال ہمنشیں کے مضامین کی عبارت بہت پختہ اور صحیح ہے۔

گڈھ میگزین کی رائے: خاتون اکرم مرحومہ فخر نسوان ہند تھیں ان کا طرز بیان پُر اثر اور دلنشین ہوتا تھا۔ جمال شیں قابل قدر کتاب ہے۔

مضامین کے اعتبار سے جمال ہمنشیں اردو کی چوٹی کی کتابوں میں ہے وبصورتی کے اعتبار سے بہت کم اردو کتابیں ایسی دلکش نکلیں گی کتاب آرٹ کاغذ پر رنگین چھپی ہے۔ مقبولیت کا اندازہ اس سے یجئے کہ ڈیڑھ سال میں تین دفعہ چھپ چکی ہے۔

قیمت صرف عہ/ علاوہ محصول ڈاک

پیکرِ وفا

ایک نہایت دلچسپ سبق آموز افسانہ مع دیباچہ از اڈیٹر عصمت

خاتون اکرم جنت مکانی کی کامیاب افسانہ نگاری کا بہترین نمونہ۔

رسالہ ہمایوں کی رائے ہے پیکر وفا ایک کامیاب و مفید افسانہ ہے جس میں عورتوں کے اس احترام کو واضح کیا گیا ہے جس کی تعلیم مذہب اسلام نے ہمیں دی ہے۔ انداز بیان درد انگیز عبارت سادہ و شگفتہ۔

اخبار ریاست لکھتا ہے پیکر وفا ایک نتیجہ خیز دلآویز افسانہ ہے۔ طرز بیان اس قدر صاف و دلکش کہ تعریف نہیں ہو سکتی۔

رسالہ حرم کی رائے ہے، پیکر وفا میں عورتوں کی وفاداری و قربانی کا بے مثل نمونہ پیش کیا گیا ہے۔ آرٹ کاغذ پر رنگین چھپی ہے

قیمت صرف آٹھ آنہ (۸/)

بچھڑی بیٹی

ایک نہایت دلچسپ افسانہ

ایک لڑکی ماں باپ سے بچھڑ جاتی ہے اس کی جدائی میں ماں کی جو کیفیت ہوتی ہے وہ صرف پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ برسوں کے بعد وہ لڑکی اس طرح ملتی ہے کہ بے ساختہ جنت مکانی کی کامیاب افسانہ نگاری کا معترف ہونا پڑتا ہے۔ پلاٹ بے انتہا دلآویز طرز تحریر پر شور دلنشین۔

یہ افسانہ اردو کے کئی رسالوں میں شائع ہو کر مقبول ہوا ہے

قیمت صرف چھ آنہ ۶/ علاوہ محصول ڈاک

ملنے کا پتہ: منیجر عصمت کوچہ چیلان دہلی

ملنے کا پتہ:- مینیجر عصمت دہلی

عصمت جوبلی نمبر کا دوسرا ایڈیشن

اُردو صحافت میں ہمیشہ یادگار رہنے والا عصمت جوبلی نمبر جس کے متعلق ہندوستانی پریس کی متفقہ رائے ہے کہ اس سے بہتر شاندار اور دلچسپ مفید خاص نمبر کسی مردانہ یا زنانہ رسالہ کا شائع نہیں ہوا ختم ہو چکا تھا لیکن شائقین ادب کے اصرار پر اب دوبارہ چھپوایا گیا ہے وہی تمام مضامین ۲۵۰ صفحوں کے وہی بیش سادہ و رنگین ۶۰ تصاویر، جن میں ایک درجن بلاک جرمنی میں بنے ہیں، وہی کاغذ لکھائی چھپائی غرض دوسرا ایڈیشن زر کثیر خرچ کر کے اتنا ہی شاندار اور خوبصورت تیار کیا گیا ہے۔ عصمت کا جوبلی نمبر اگر آپ کے کتب خانہ میں نہیں ہے تو آپکی لائبریری یقیناً نامکمل ہے قیمت صرف ۱؎ مگر جدید خریداران عصمت سے ۸؎ اسکے مقابلہ میں دس روپیہ بھی کچھ حقیقت نہیں رکھتے۔

مسلمان لڑکیوں کیلئے کوئی مذہبی رسالہ نہ تھا

رسالہ بنات

تربیت گاہ بنات دہلی سے علامہ راشد الخیری مدظلہ نے جاری فرما کر اس کمی کو بھی پورا کر دیا اور دو سال میں ہی بنات کو وہ مقبولیت حاصل ہوئی کہ اب

ماہوار سے پندرہ روزہ ہوتا ہے

بنات کے دلچسپ اور مفید مضامین لڑکیاں ہی نہیں بڑی عمر کی عورتیں اور مرد بھی بڑی خوشی سے مطالعہ کرتے ہیں اور ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں، عصمت کے علاوہ صرف یہی پرچہ ہے جس میں علامہ راشد الخیری مدظلہ کے مضامین شائع ہوتے ہیں نومبر سے بنات پندرہ روزہ شائع ہوگا۔ سالانہ چندہ صرف دو روپیہ اس چندہ میں تربیت گاہ بنات جیسی مفید درسگاہ کی نادار یتیم بچیوں کی امداد بھی شامل ہے اس لئے ہر دردمند مسلمان کو بنات منگانا چاہئے۔ اسقدر کم چندہ میں بنات سے زیادہ مفید رسالہ ہندوستان بھر میں نہیں مل سکتا

مینیجر بنات دہلی

…ب ۱۴ر
…ہنی ۱۰ر

مولانا شرر مرحوم

…ید بغدادی عہ ر
…زنوبیہ ۳ر
…قرۃ العین ۳ر
…مخدرات عمہ ر
…پائے حق للعہ
…محبت حیین عہ ر
…فاتح مفتوح عمہ ر
…ملک خزی عمہ ر
…الفانسو ۱۲ر
ایام عرب ع ر
قیس ولبنیٰ عمہ ر
یوسف ونجمہ عمہ ر
زوال بغداد عمہ ر
مینا بازار عہ ر
مقدس نازنین عمہ ر
رومۃ الکبریٰ عمہ ر
فلپانا عمہ ر
شوقین ملکہ عہ ر
منصور موہنا ۸ر
حسن انجلینا ۸ر
ملک العزیز ورجنا ۱۲ر
فردوس بریں ۸ر
حسن کا ڈاکو
دربار حرام پور ۱۲ر
غیب دان دلہن
[illegible]

سوۂ [illegible] ۸ر
نیکی کا پھل عہ ر

شوق قدوائی مرحوم

ترانۂ شوق عمہ ر
قاسم و زہرہ عہ ر
نیرنگ جمال ۴ر

میر ولی اللہ بی اے

بندگی عمہ
کاتبین الکرام ۱ مے
لسان الغیب جلد اول
〃 دوم
〃 سوم
〃 چہارم
نمکدان فصاحت عمہ ر
بادۂ ناب عمہ ر

ظفر عمر بی اے

چوروں کا کلب ۹ر
نیلی چھتری عمہ ر
بہرام کی گرفتاری عہ ر

مولانا نیاز فتحپوری

گیتان جلی عمہ
گہوارۂ تمدن ع ر
نگارستان ع ر
صحابیات ع ر
تاریخ الدولتین عمہ ر

سید سجاد حیدر بی اے

نہرا ۱۴ر
جلال الدین خوارزم شاہ
خیالستان
ثالث بالخیر

حکایات و احتساسات عمہ ر

دلچسپ تاریخی و جاسوسی ناول

سراب فیشن ۸ر
بالشویک شہزادی ۸ر
شہید وفا ۸ر
ممتاز بیگم ۸ر
شعلۂ رنگین ۸ر
محاصرۂ پیرس عہ ر
شیخ چلی عہ ر
بہادر ترک ۵ر
بہرام کی واپسی ۴ر
انقلاب فرانس عمہ ر
حسن جنارس ۸ر
فطرتی جاسوس عمہ ر
ترکی حرم سرا ۸ر
جنگ طرابلس ۸ر
بہرام چور عمہ ر
زرپرست عمہ ر
گنجی کا راز عمہ ر
عبدالرحمٰن ناصر ع ر
عروس مصر ع ر
سیلاب خون عمہ ر
کرشمہ عمہ ر
وفادار دلہن عمہ ر
طواف زمین عہ ر

سیاحت زمین عمہ ر
سیاحت عہ ر
نازنین مراکش ۸ر
سمندر کی سیر ع ر
اسرار بالشویزم عمہ ر
روح لیلیٰ مے ر
امین بک عمہ ر
حجاج بن یوسف عمہ ر
یوسف پاشا عمہ ر
انقلاب عثمانی عمہ ر
نیلی چھتری عمہ ر
بہرام کی آزادی ۱۲ر
بہرام کی گرفتاری عہ ر
بہرام کی سرگزشت عہ ر
پراسرار قتل ع ر

ادبی کتابیں

مکمل شرح دیوان غالب مے
بزم خیال عہ ر
مشاطۂ سخن عہ ر
انشاء النسوان ۶ر
مکاتیب محسن الملک عمہ ر
لیلیٰ مجنوں ڈراما ۸ر

مراثی

مراثی دبیر ع ر
مراثی انیس للعہ ر
مراثی ضمیر عہ ر

نگار بُک ایجنسی
نظیر آباد لکھنؤ

مراثی مونس ۱۲ر
مراثی دلگیر ۱۲ر

تذکرۃ الشعرا

تذکرۂ حسینی ۱۱ر
گلشن ۱۰ر
سراپائے سخن عہ ر
سوانح نظیر اکبرآبادی عمہ

دواوین فارسی

دیوان شمس تبریز عمہ ر
کلیات عراقی ۱۲ر
دیوان حافظ عمہ ر
دیوان نعمت خان عالی عہ ر
کلیات انوری ع ر
دیوان بیدل ۱۰ر
کلیات سعدی عمہ ر
دیوان عرفی ۱۲ر
کلیات جامی عمہ ر
کلیات غالب عمہ ر
کلیات صائب عمہ ر
کلیات حزیں ع ر
دیوان عنصری ۱۴ر
دیوان ظہیر فاریابی ۶ر
دیوان غنی کشمیری ۶ر
دیوان ناصر علی ۵ر
دیوان ہلالی ۶ر
کلیات جلال اسیر عمہ ر

دواوین اردو

دیوان حسن دہلوی ۶ر
کلیات ظفر ع ر
کلیات مومن عہ ر
دیوان ناسخ عمہ ر
کلیات میر عمہ ر
کلیات سودا عمہ ر
کلیات انشا عمہ ر
کلیات نظیر اکبرآبادی عہ
گلزار داغ عمہ ر
دیوان رند ۹ر
دیوان ذوق ۱۲ر
کلیات اسمٰعیل ع ر
مرآۃ الغیب عہ ر
صنمخانۂ عشق ع ر
فریاد داغ ۴ر
دیوان قاتل ۸ر
دیوان شہیدی ۴ر

عجائب و غرائب

عجائب المخلوقات تصویر رنگین مجلد
〃 باتصویر سادہ للعہ
مجمع الفنون مے ر
طلسم فرنگ ع ر
کارخانۂ عالم عہ ر

رینالڈز کے ناولوں کے ترجمے

الہ دین ولیلیٰ عمہ ر
فریب حسن ع ر
سوزن عشق عمہ ر
روز الیمبرٹ للعہ ر
ناول اسرار ع ر
شام جوانی مے ر
طلسمی فانوس عمہ ر

تصانیف مولانا نیاز فتحپوری

صحابیات

جس میں عہد سعادت کے ۵۰ خواتین کے مستند حالات درج ہیں۔ اس کا مقدمہ مولانا کی خاص زبان وانشا میں ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے

قیمت فی جلد ۶ِر

نگارستان

زیر طبع ہے

شاعر کا انجام

نیاز فتحپوری کے عنفوان شباب کا لکھا ہوا فسانہ جو زور انشا اور حسن بیان کے لحاظ سے عجیب وغریب چیز ہے

قیمت مع محصول ۱۲ ر

شہاب کی سرگزشت

اردو میں پہلا فسانہ ہے جس میں نفسیاتی تحلیل کے لحاظ سے سیرت نگاری کی گئی ہے۔ یہ امر مسلم ہو چکا ہے کہ اردو میں اس سے بہتر تخیل اور بلند انشا کا فسانہ کوئی شائع نہیں ہوا

قیمت فی جلد عہ ر

جذبات بھاشا

ہندی شاعری میں جو لوچ اور کیفیت ہے اس کا علم انھیں کو ہو سکتا ہے۔ جنھوں نے اس زبان کی شاعری کا مطالعہ کیا ہے۔ اس کتاب کو دیکھئے اور جذبات وخیال کی پاکیزگی کی داد دیجئے

قیمت فی جلد ۱۲ ر

تاریخ الدولتین

جرجی زیدان مصری مشہور مورخ اسلام تاریخ تمدن اسلامی کے ایک حصہ کا ترجمہ جس میں عہد بنی امیہ وبنی عباس کی سیاسی تاریخ پر بے مثل تبصرہ کیا گیا ہے

قیمت فی جلد عیر

علم فراست الید

یعنی ہات کی لکیروں کو دیکھکر ایک شخص کی سیرت اور اس کے ماضی وستقبل کے حالات معلوم کرنے کا علم۔ اس فن پر ایک سلسلۂ مضامین نگار میں شایع ہوا تھا۔ اب اسے خوبصورت جیبی سائز میں مرتب کیا جا رہا ہے اور آخر دسمبر ۱۹۲۶ء تک شایع ہو جائیگا۔ اس کتاب میں اس فن کے تمام مشکلات اسقدر آسان زبان میں حل کئے گئے ہیں کہ ہر شخص مطالعہ کرنے کے بعد نہایت معمولی مشق سے ہات دیکھکر صحیح احکام صادر کر سکتا ہے

قیمت فی جلد عہ ر

ظریف شاعروں کا تذکرہ
یا
تذکرۂ خندۂ گل

اردو فارسی کے جتنے ظریف شاعر گزر چکے ہیں یا اب موجود ہیں ان کے حالات مع ان کے لطائف وظرائف اور نمونۂ کلام کے یکجا کر دیئے گئے ہیں۔ موضوع اور دلچسپی کے لحاظ سے اردو میں پہلی کتاب ہے

صفحات قیمت مع محصول للعہ ر

فلسفۂ مذہب

جو سلسلہ وار نگار میں شایع ہو چکا ہے زیر طبع ہے

(دفتر رسالہ نگار [illegible])